ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

۵/ اگست ۹۶ء

☆ فلسفہ ارتقاء کے حوالے سے بھی نظام خلافت کا احیاء لازمی ہے

☆ کاش بغداد کو چند مہینے اور قلعہ بند رکھا جا سکتا!

☆ عوامی لیگ کی لیڈر نے غیر معمولی صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا

حدیث امروز

جنرل (ر) محمد حسین انصاری

مرتا تو آخر کار غریب ہی ہے

مملکت خداداد پاکستان کے عوام ابھی مسلسل مہنگائی کے زخم چاٹ نہیں پائے تھے کہ خوشحال لوگوں کی عیاشی کے لئے وطن عزیز کے ساحل پر ساز گار ماحول مہیا کئے جانے کی نوید آٹھ دس روز قبل اخبارات نے سنائی۔ منصوبہ یہ ہے کہ بلوچستان کے ساحلی علاقے گوادر کے قرب و جوار میں ۷۵ مربع میل پر محیط ایک رنگیلا شہر بسایا جا رہا ہے جو دنیا کے مشہور جنسی دلکشی کے مراکز کی طرح کا ہو گا۔ اسے ایک غیر ملکی کمپنی اپنے سرمائے سے بسائے گی جسے اس شہر کے قانونی' انتظامی' مالیاتی اور سلامتی امور پر مکمل دسترس ہو گی۔ قانون سازی اور عملدر آمد اسی کے اختیار میں ہوں گے۔ مادر پدر آزادی اس شہر کی پہچان ہو گی اور اس میں کوئی بھی دخل انداز نہ ہو سکے گا۔ توقع ہے کہ غیر ملکی سیاح اس نئی دریافت پہ ٹوٹ پڑیں گے۔ اپنے امراء بھی کشاں کشاں پہنچیں گے' جو تسکین انہیں ڈشوں کے مختلف زاویئے نہ دلا سکے وہ یہاں مل جائے گی۔ پیسہ بھی خوب آئے گا! اس ملک کی بدنصیبوں کا باعث ایک آمر کی ایسی ہی توضیح نے منشیات کے دھندے کو رائج کیا تھا کہ نشہ کافر کرے گا' پیسہ ہمیں آئے گا! پیسہ تو واقعی آیا' اب بھی آئے گا۔ مگر حرام کا پیسہ حرام ٹوکری ہی میں جاتا ہے۔ چنانچہ امیر امیر تر ہوا اور غریب بارکشی کی پاداش میں جیل کاٹتا رہا۔ اس دھندے کے سورما تو اب بھی سورما ہی کہلاتے ہیں۔

حسن قدرت' اس ملک میں ایک جنت بے نظیر ہے۔ سوئے اتفاق' اسی میں اب جہنم بے نظیر بھی ہو گی۔ گوادر کے قرب میں مذکور شہر عذاب کو اور کیا کہئے گا۔ اس منصوبے کے بارے میں خوب لکھا اور کہا جا رہا ہے۔ سیاسی پنڈتے سے منسلک اکابرین کو ایک نیا اشو (issue) ہاتھ لگا ہے جیسا کہ پہلے کئی اشو ہاتھ لگے مثلاً کرپشن' سپریم کورٹ کا فیصلہ' فحاشی' ٹیکس' مہنگائی وغیرہ۔ اور اب لانگ مارچ اور ملین مارچ کے منصوبے۔ احتجاجی اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے یہ تو وقت ہی بتائے گا تاہم اس کارروائی کا مقصود و مطلوب صرف حکومت وقت کو ہٹانا ہے' اصلاح نہیں! جو قیادت خود گمراہ ہو اس کے ذریعے اصلاح کیسی؟ کیا ہماری تاریخ کے اوراق میں ایوب مخالف تحریک' پی این اے اور آٹھویں ترمیم کے دو مرتبہ استعمال کے نتائج محفوظ نہیں؟ کیا عوام کی بھلائی کے لئے کوئی اصلاحی ترکیب بروئے کار لائی گئی؟ کیا کسی دور میں بھی غریب کا کوئی بھلا ہوا' کیا غریب کی بہو بیٹی کی عصمت کی رکھوالی ہوئی' کیا غریب کے بیٹے کو مناسب تعلیم نصیب ہوئی' کیا کبھی غریب کا بیٹا کسی اعلیٰ سرکاری منصب تک پہنچا' کیا غریب بیمار کو سرکاری ہسپتال میں دوائی مفت ملی' کیا غریب کو کسی عدالت سے انصاف مل سکا' کیا غریب کی عزت نفس کو در در کی ٹھوکروں سے نجات ملی' کیا غریب کی آمد و رفت کے لئے کبھی باوقار انتظام ہوا' کیا غریب کو دو وقت کی باعزت روٹی نصیب ہوئی' کیا بھیک منگتوں کی تعداد میں کمی ہوئی؟ ہر سوال کا جواب نفی میں ہے۔ آج کل پاکستان کی گولڈن جوبلی منانے میں اکابرین ملت سرگرم ہیں۔ کوئی ان سرخیلوں سے پوچھے کہ آپ نے ان غریب عوام کے لئے کیا کیا جنہوں نے خود یا ان کے آباواجداد نے تحریک پاکستان کے دوران گاؤں گاؤں کی خاک چھانی' جن کے گھربار لٹے' جن کی بہو بیٹیوں کی عصمتیں لٹیں' پاکستان میں مقیم جنہوں نے مہاجرین کو سینے سے لگایا' خندہ پیشانی سے ملازمتیں اور کاروبار ان کے حوالے کئے؟ یہ بیچارے تو آج بھی غریب ہیں بلکہ غریب تر۔ کوئی ان سرخیلوں سے پوچھے کہ محکمہ بحالیات کی ملی بھگت سے بوگس الاٹمنٹوں کے ذریعے بے حساب دولت کس نے کمائی؟ کوئی بیوروکریٹ غریب دکھائی دیتا ہے؟ کوئی سینیٹر' ایم این اے' ایم پی اے یا کونسلر بے دولت نظر آتا ہے؟ اب تو جرنیل بھی ۷۰' ۸۰ لاکھ کی کوٹھیاں بیچتے سنے جاتے ہیں۔

(باقی صفحہ ۱۷ پر)

قیمت : ۸ روپے

الھدیٰ

ترجمانی : حافظ عاکف سعید

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم مت عبادت کرو کسی کی سوائے اس کے' اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

(نکتہ توحید ہی دین کی جڑ بنیاد ہے۔ دین میں شرک نظری کے لئے کوئی گنجائش ہے نہ شرک عملی کسی طور گوارا۔ معاملہ انفرادی ہو یا اجتماعی' جز میں عقیدۂ توحید اگر کار فرما ہے تو از روئے دینؐ درست اور قابل قبول قرار پائے گا۔ بصورت دیگر مردود اور ناقابل قبول' کہ توحید ہی اس کائنات کی سب سے کھلی حقیقت ہے۔ پورا نظام کائنات اور مظاہر فطرت کی یہ کامل ہم آہنگی' زبان حال سے توحید کا اعلان کرتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ اس کائنات کے خالق و مالک کا انسانوں پر یہ حق بنتا ہے کہ اس کی وحدانیت کا اقرار کیا جائے اور اس کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کیا جائے...... اللہ کے اس حق کی ادائیگی میں کوتاہی وہ جرم عظیم ہے جس کے بارے میں قرآن حکیم میں دو مقامات پر صاف طور پر فرما دیا گیا کہ اس کی کوئی بخشش نہیں۔ اللہ کے بعد اس کائنات میں سب سے بڑا حق والدین کا ہے کہ ان کے احسانات کا بدلہ چکانا بھی کسی کے لئے ممکن نہیں' لہٰذا انسان کے حسن سلوک کے اولین مستحق بھی وہی ہیں۔)

اگر پہنچ جائیں تمہارے سامنے بڑھاپے کی عمر کو' ان میں سے ایک یا وہ دونوں' تو انہیں اف تک نہ کہو اور انہیں مت جھڑکو اور کہو ان سے بات ادب کے ساتھ O

(کہ بوڑھے والدین اولاد کے حسن سلوک اور توجہ کے شدت سے محتاج ہوتے ہیں' اپنا سب کچھ اولاد کی خاطر لگانے اور کھپانے کے بعد اپنی اولاد سے ان کی بڑی نیک توقعات وابستہ ہوتی ہیں۔ آخری عمر میں اولاد کی جانب سے ذرا سی عدم توجہی بھی ان کے احساسات کو ٹھیس پہنچانے کا باعث بنتی ہے۔ لہٰذا پروردگار کائنات نے...... جو اولاد اور والدین دونوں کا خالق اور رب ہے...... اپنے ابدی کلام میں بوڑھے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی اس درجہ تاکید فرما دی کہ ان کے سامنے بلند آوازی سے گفتگو تو دور کی بات ہے' اف تک کہنے سے بھی منع فرما دیا)

اور جھکا دو ان کے سامنے کندھے عاجزی اور نیازمندی کے ساتھ اور کہو اے میرے رب' ان پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے پالا تھاO

(مزید تاکید کر دی گئی کہ عاجزی اور رحمت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اپنے بوڑھے اور ضعیف والدین کے سامنے اپنے شانے جھکا کر رکھو کہ وہ یہ محسوس نہ کریں کہ وہ اولاد جو کل تک اپنی بنیادی ضرورتوں کے لئے بھی مکمل طور پر ہماری نگہداشت کی محتاج تھی' آج ہمارے سامنے سینہ تان کر بات کر رہی ہے..... اور چونکہ انسان کے لئے والدین کے احسانات کا بدلہ احسان کی صورت میں چکانا کسی طور ممکن نہیں لہٰذا اس کے بدل کے طور پر اولاد کو ایک جامع دعا تلقین فرما دی گئی کہ ان کے حق میں رحمت کی دعا کرتے رہا کرو کہ ان کے احسانات کے بدلے میں تم یہی کچھ کر سکتے ہو۔)

تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے' اگر تم صالح بن کر رہو تو وہ رجوع کرنے والوں کے لئے بہت بخشنے والا ہےO

(کہ اللہ خوب باخبر ہے کہ کون کتنے خلوص سے والدین کی خدمت کر رہا ہے' لہٰذا اگر انسان کا طرز عمل راست اور نیت درست ہو تو کسی وقت اگر والدین کی جناب میں معمولی بے ادبی ہو جائے یا ضعیفی میں ان کی ناسمجھی کے باعث ان کی کوئی فرمائش کسی وقت رد کرنی پڑ جائے تو اللہ توبہ کو قبول فرمانے والا ہے۔)

(سورۃ بنی اسرائیل۔ آیات ۲۳ تا ۲۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

بانی مدیر : اقتدار احمد مرحوم

جلد ۵ شمارہ ۳۰

۵ / اگست ۹۶ء

16

ایڈیٹر

حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات

تحریک خلافت پاکستان

۴ ۔ اے ' مزنگ روڈ ' لاہور

مقام اشاعت

۳۶ ۔ کے ' ماڈل ٹاؤن ' لاہور

فون : ۳ ۔ ۵۸۶۹۵۰۱

پبلشر : محمد سعید اسعد طابع : رشید احمد چودھری
مطبع : مکتبہ جدید پریس ' ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ : ۸ روپے
سالانہ زرتعاون (اندرون پاکستان) ۱۵۰ روپے

زرتعاون برائے بیرون پاکستان

☆ ترکی ' اومان ' مصر ۱۳ / امریکی ڈالر
☆ سعودی عرب ' کویت ' بحرین ' قطر ' عرب امارات ' بھارت ' بنگلہ دیش ' یورپ ' جاپان ۲۰ امریکی ڈالر
☆ امریکہ ' کینیڈا ' آسٹریلیا ' نیوزی لینڈ ۲۶ امریکی ڈالر

ایڈیٹر کے ڈیسک سے !

"سرے محل" کے اسکینڈل کی دھول ابھی پوری طرح بیٹھی نہ تھی کہ "ویسٹ بے سٹی" کے بھیانک منصوبے کے چونکا دینے والے انکشاف نے اہل پاکستان کو ہلا کر رکھ دیا۔ زیر نظر شمارے کے اداریے "حدیث امروز" میں محترم جنرل انصاری صاحب نے اس کے حوالے سے بعض پیچیدہ ہوئے سوالات اٹھائے ہیں اور بعض نہایت فکر انگیز باتیں قارئین کے سامنے رکھی ہیں۔ ہم ان سطور میں قارئین کو صرف یہ بات یاد دلانا چاہتے ہیں کہ گزشتہ انتخابات کے موقع پر دینی سیاسی جماعتوں کی کیفیت اور حالت زار کو دیکھتے ہوئے امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ ان دینی جماعتوں کا یہ دعویٰ کہ انہوں نے الیکشن پالیٹکس میں رہ کر سیکولرزم کا راستہ روکنے کا کارنامہ سرانجام دیا ہے' آئندہ نقش بر آب ثابت ہو گا اور وہ سیکولرزم کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے بند باندھنے میں ناکام ثابت ہوں گی۔ امیر تنظیم نے اس خدشے کا واشگاف الفاظ میں اظہار کیا تھا کہ آئندہ اس ملک میں سیکولرزم کا ننگا ناچ ہو گا اور دینی سیاسی جماعتیں غیر موثر ہو کر رہ جائیں گی۔ پچھلے دو سال کے عرصے پر اگر نظر دوڑائیں تو یہ نتیجہ نکالنا ہرگز مشکل نہیں ہے کہ امیر تنظیم کا اندیشہ صحیح ثابت ہوا اور ملک سیکولرزم کی راہ پر بگٹٹ دوڑ رہا ہے۔ اسلام پسند طبقات اور عوامی جذبات کا لحاظ کئے بغیر ہر منکر اور حرام شے اس معاشرے پر ٹھونسی جا رہی ہے جس کا نمایاں ترین مظہر "ویسٹ بے سٹی" کا منصوبہ ہے۔

امیر تنظیم اسلامی نے جس مجلس میں مذکورہ بالا بات ارشاد فرمائی تھی' اسی میں اس توقع کا اظہار بھی کیا تھا کہ اس حد درجہ تشویشناک صورتحال سے یہ خیر بھی برآمد ہو سکتا ہے کہ دینی سیاسی جماعتیں اپنے طرز عمل پر نظر ثانی پر مجبور ہو جائیں اور اپنی نصف صدی کی کارکردگی پر ناقدانہ نگاہ ڈال کر شاید اس نوشتہ دیوار کو پڑھنے میں کامیاب ہو جائیں کہ اس ملک میں اسلام انتخابی سیاست کے ذریعے نہیں' بلکہ صرف احتجاجی سیاست اور انقلابی راستے سے ہی آ سکتا ہے۔ کیا عجب کہ وہ اس انتخابی سیاست کی دلدل سے نکلنے کا فیصلہ کر لیں جس میں پھنس کر ان کا اپنا دامن بھی آلودگی سے محفوظ نہیں رہ سکا اور مروجہ سیاست کی نجاست ان کی اپنی صفوں میں بھی سرایت کر چکی ہے۔ انتخابی سیاست سے کنارہ کشی کے اعلان کے بعد اگر وہ مل جل کر ایک پریشر گروپ کی صورت اختیار کر لیں' عوام کے ذہنوں کی تطہیر اور ان کی مناسب دینی تربیت کے ساتھ ساتھ وہ ایک امیر کی قیادت میں ایک منظم جماعت تشکیل دینے میں کامیاب ہو جائیں اور واضح طور پر غلبہ و اقامت دین کے مقصد عظیم کو سامنے رکھ کر انقلابی نہج پر نظام کو بدلنے کی جدوجہد کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ سیکولرزم کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا رخ پھیرنے میں کامیاب نہ ہوں۔ اسی جدوجہد کے نتیجے میں باطل نظام کو جڑ سے اکھاڑ کر اس ملک خداداد پاکستان میں اسلامی نظام کو قائم کرنا ممکن ہو سکے گا۔

اگر کسی کا یہ خیال ہے کہ اس ملک میں نفاذ اسلام کا کوئی اور راستہ بھی ممکن ہے تو وہ خود فریبی اور خام خیالی کا شکار ہے۔ انتخابی سیاست کی کوچہ نوردی کرتے ہوئے ہماری دینی سیاسی جماعتوں کو چالیس برس سے زائد ہو چکے ہیں۔ اس دوران دینی جماعتوں نے اپنی اپنی جگہ سولو فلائٹ کا تجربہ بھی کیا' متحدہ محاذ تشکیل دے کر بھی قسمت آزمائی کی' سیکولر جماعتوں کے ساتھ اشتراک عمل کے ذریعے بھی کام نکالنے کی کوشش کی' کسی فرد واحد (مثلاً طاہر القادری صاحب) کی عوامی مقبولیت سے فائدہ اٹھا کر اقتدار کے سنگھاسن پر قبضہ جمانے کی سعی نامشکور کا تجربہ بھی کر لیا اور قاضی صاحب کے "اسلامی فرنٹ" کا داؤ بھی آزما کر دیکھ لیا مگر ڈھاک کے وہی تین پات!--- بلکہ دینی سیاسی جماعتوں کی مقبولیت کا گراف بتدریج گرتا ہی چلا گیا۔ ان تمام تجربات سے گزرنے کے بعد بھی انتخابی سیاست کے راستے پر مصر رہنے سے زیادہ غیر معقول اور غیر دانشمندانہ طرز عمل اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ کاش کہ ہمارے دینی سیاسی رہنما اپنے اندر وسعت نظر پیدا اور احوال و ظروف کا شعور پیدا کریں اور حالات کی سنگینی کا ادراک کرتے ہوئے اپنے طرز عمل پر پوری سنجیدگی کے ساتھ نظر ثانی کریں۔ بصورت دیگر اصلاح احوال کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ ہم لوگ پاکستان کی "گولڈن جوبلی" منانے کی تیاریاں تو زور شور سے کر رہے ہیں اور اس میں انہماک اور اشتغال کو ملک و قوم کے ساتھ خیر خواہی اور وفاداری خیال کرتے ہیں' اور یہ بات ایک حد تک درست بھی ہے' لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ کیا ہم نے آج سے پچیس سال قبل ہونے والے سانحے یعنی سقوط ڈھاکہ سے کوئی سبق سیکھا تھا۔ اور اگر نہیں سیکھا اور یقیناً نہیں سیکھا تو آخر ہم اللہ کی پکڑ اور اس کے عذاب سے اتنے نچنت اور بے خوف کیوں کر ہو گئے ہیں؟ اپنے گریبانوں میں جھانک کر بتائیے کہ پاکستان کے پچاس سال مکمل ہونے پر اگر سقوط ڈھاکہ کی طرح ایک اور عذاب کا بھرپور کوڑا ہم پر برسے تو کیا ہم اپنی بداعمالیوں کے باعث اس کے مستحق نہیں ہو چکے؟ گولڈن جوبلی منانے سے زیادہ ہمیں فکر اس بات کی ہونی چاہئے کہ ہم آئندہ اللہ کے عذاب سے کیسے بچ سکتے ہیں جس کی موثر ترین صورت یہی ہو سکتی ہے کہ ہم ملک خداداد پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے لئے کمربستہ ہو جائیں اور مصطفوی نظام کے غلبہ و نفاذ کے لئے مصطفوی طریق انقلاب کی راہ پوری یکسوئی کے ساتھ اختیار کریں!! اللھم وفقنا لھذا○○

نہیں معلوم کہ اسلام کا پرچم بلند کرنے کا اعزاز کس قوم کو حاصل ہو گا!

فلسفہ ارتقاء کے حوالے سے بھی "نظام خلافت" کا احیاء لازمی ہے

عالمی خلافت کے قیام سے قبل دو مسلمان امتوں کو ان کی سزاؤں کی آخری قسط ملنی ہے

ڈاکٹر اسرار احمد

بیسویں صدی عیسوی میں ہی دو عظیم جنگیں ہوئی ہیں' جن میں کروڑوں انسان قتل ہوئے۔ کیا تیسری جنگ نہیں ہو سکتی؟ نبی اکرم ﷺ نے احادیث مبارکہ میں الملحمہ العظمی کی خبر دی ہے' اسے جنگ عظیم نہیں جنگ اعظم کہیں گے۔ اس لئے کہ عظمیٰ اعظم کا مونث ہے۔ حالات تیزی سے اس طرف جا رہے ہیں۔ دراصل یہ تیسری {۱} صلیبی جنگ ہو گی۔ احادیث مبارکہ کے علاوہ اس کا تذکرہ بائبل میں بھی موجود ہے۔

بیسویں صدی کا تیسرا عجوبہ

اور بیسویں صدی ہی کا تیسرا عجوبہ یہ ہے کہ یہودی قوم جو دو ہزار سال سے دربدر تھی' اسے اس صدی میں گھر مل گیا۔ اسرائیل وجود میں آگیا اور آیا بھی کس شان و شوکت سے!

۷۰ عیسوی سے یہودی بے گھر تھے۔ ٹائیٹس رومی نے یروشلم پر حملہ کیا تھا۔ ایک لاکھ سے زیادہ یہودی ایک دن میں قتل ہوئے۔ ہیکل سلیمانی مسمار کر دیا گیا جو اب تک مسمار پڑا ہے۔ اسی لئے یہودی اس کو اپنی تاریخ کا دور انتشار (Diaspora) کہتے ہیں۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ یہودی دنیا میں تیرہ چودہ ملین (یعنی ایک کروڑ تیس لاکھ) سے زائد نہیں ہیں۔ اس کے برعکس امت مسلمہ میں سے صرف عربوں کو شمار کیا جائے تو وہی بیس پچیس کروڑ ہیں لیکن ان کی جو معنوی حقیقت ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ میں سوچا کرتا ہوں کہ شاید یہود کا موجودہ تسلط اور استیلاء بجھنے سے پہلے چراغ کی آخری بھڑک ہو۔ اس کے بعد شاید یہ مغضوب و ملعون قوم تباہ و برباد کر دی جائے۔

اہل ایمان کا طلوع و غروب

اگر اس صدی کے آغاز میں خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ہوا تو کیا اس صدی کے اختتام پر احیائے نظام خلافت نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ہم بقول علامہ اقبال مرحوم یہ منظر دیکھ لیں کہ ؎

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر نکلے

یہ نری شاعری نہیں' بلکہ تاریخی حقائق ہیں۔ جب اندلس (اسپین) میں مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکمرانی کا سورج غروب ہو رہا تھا تو اسی وقت مشرق میں اسلام کا سورج طلوع ہو رہا تھا۔

اسلام کو تو قیامت تک رہنا ہے۔ حضور کی حدیث مبارکہ ہے کہ "انا آخر المرسلین وانتم آخر الامم" (میں آخری رسول ہوں اور تم آخری امت ہو) یہ امت کسی ایک نسل پر مبنی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عربوں کو معزول کیا تو اپنے دین کا پرچم ترکوں کے ہاتھوں میں تھما دیا۔ اب ترک اگر معزول ہو گئے ہیں تو کیا عجب اب یہ پرچم اسلام ہندیوں کے ہاتھوں میں آنے والا ہو جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا ہے ؎

عطا مومن کو پھر درگاہ حق سے ہونے والا ہے
شکوہ ترکمانی' ذہن ہندی' نطق اعرابی

یہ منظر تاریخ انسانی پہلے بھی دیکھ چکی ہے ؎

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

اور ؎

اگر عثمانیوں پر کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

کوئی بعید نہیں کہ آفتاب خلافت جو اس صدی کے آغاز میں غروب ہوا وہ اس کے اختتام پر طلوع ہو جائے۔

مسلمانان برعظیم کا استحقاق

بیسویں صدی کے حوالے سے آخری بات یہ ہے کہ جب خلافت کا برائے نام ادارہ بھی اغیار کی سازشوں اور اپنوں کی نادانیوں سے ختم کر دیا گیا تو ردعمل کہاں ظاہر ہوا؟ صرف اور صرف برعظیم پاک و ہند میں صدائے احتجاج بلند کی گئی۔ خلافت کا ادارہ تو پورے عالم اسلام کی وحدت کا نشان تھا اس لئے آنسو تو پورے عالم اسلام میں بہائے جانے چاہئیں تھے' لیکن کہیں کوئی ردعمل ظاہر نہ ہوا۔ اس ادارے کی بحالی کی تحریک چلی تو صرف اس صنم خانہ ہند میں چلی اور اس شدت سے چلی کہ گاندھی کو بھی اس میں شریک ہونا پڑا۔ گاندھی

{۱} واضح رہے کہ یورپ دو صلیبی جنگیں پہلے لڑ چکا ہے۔

نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ اگر اس نے اس موقع پر مسلمانوں کا ساتھ نہ دیا تو آئندہ کبھی بھی ان کا تعاون حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ پورا برعظیم اس نعرے سے گونج اٹھا۔

بولیں اماں محمد علی کی
جان بیٹا لافت پہ دے دو!

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا خلافت کا یہ برائے نام ادارہ اپنوں کی غداری ہی سے منسوخ ہوا تھا۔ بقول اقبال۔

چاک کر دی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ' اوروں کی عیاری بھی دیکھ

مصطفےٰ کمال نے اس وقت صیونیت کے ایجنٹ کا کردار ادا کیا[۲]۔ ۱۹۲۴ء سے لے کر اب ۱۹۹۴ء تک ستر برس بیت گئے ہیں لیکن پوری دنیا میں خلافت کے برائے نام ادارے کا وجود بھی نہیں۔ امت مسلمہ کی تاریخ میں اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔

عالمی خلافت

جیسا کہ اس سے قبل بھی کہا گیا ہے کہ نظام خلافت ایک مرتبہ پھر برپا ہو کر رہے گا لیکن اب جب بھی خلافت قائم ہو گی تو یہ دنیا کے کسی ایک خطے پر محدود نہیں ہو گی بلکہ عالمی خلافت ہو گی۔ اس لئے کہ صراحت کے ساتھ احادیث نبوی میں اس کی پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ حدیث کے علاوہ خود قرآن حکیم میں اس کا صغریٰ کبریٰ[۳] موجود ہے۔

قرآن حکیم میں یہ آیت مقدسہ ﴿ هوالذی ارسل رسوله بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کله ﴾ تین مرتبہ ایک شوشے کے فرق کے بغیر وارد ہوئی ہے۔ گویا یہ صغریٰ ہے۔

پھر قرآن مجید میں الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ یہ بات پانچ مرتبہ وارد ہوئی ہے کہ نبی ﷺ کی بعثت پورے عالم انسانی کے لئے ہے' جیسا کہ سورۂ سبا کی آیت ۲۸ میں ہے ﴿ وما ارسلناک الا کافه للناس بشیرا ونذیرا ﴾ یعنی اے نبی! ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا۔ یہ کبریٰ ہے۔ اس کو صغریٰ کے ساتھ جمع کیجئے' نتیجہ سامنے آ جائے گا۔ بعثت محمدیؐ کا مقصد غلبہ دین ہے (صغریٰ) بعثت محمدی تمام عالم انسانی کے لئے ہے (کبریٰ) غلبہ دین تمام عالم کے لئے ہے (نتیجہ)۔

بعثت کا مقصد غلبہ دین لازماً پورا ہو گا۔ مگر کب؟ اس کے جواب میں یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہئے کہ اس وعدے کا اتمام ہماری آزمائش اور امتحان کی راہ سے گزرتا ہوا آگے بڑھے گا۔ چنانچہ ہمیں علامہ اقبال کا یہ پیغام یاد رکھنا چاہئے کہ۔

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

اور جب یہ اتمام ہو جائے تو بساط عالم کا نقشہ کچھ اس طرح پر ہو گا۔

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
پھر دلوں کی یاد آ جائے گا پیغام سجود
پھر جبیں خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے!
یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے!!

گویا اس وقت ﴿ یعبدوننی لایشرکون بی شیئا ﴾ کی تصویر سامنے آ جائے گی۔

غلبہ دین اور احادیث مبارکہ

اب میں ان پیشین گوئیوں کا حوالہ دوں گا جو احادیث مبارکہ میں آئی ہیں۔ صحیح مسلم کی روایت ہے جس کے راوی حضرت ثوبانؓ ہیں۔ حدیث کے الفاظ اس طرح پر ہیں:

ان الله زوی لی الارض فرایت مشارقها ومغاربها وان امتی سیبلغ ملکها مازوی لی منها (مسلم' ترمذی' ابوداؤد' ابن ماجہ)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو سکیڑ دیا (یا لپیٹ دیا) تو میں نے زمین کے سارے مشرق اور سارے مغرب دیکھ لئے اور (سن لو) میری امت کی حکومت ان تمام علاقوں پر قائم ہو کر رہے گی جو مجھے زمین سکیڑ کر دکھائے گئے ہیں"۔

ایک دوسری حدیث مسند احمد بن حنبل کی روایت ہے اور اس کے راوی مقدادؓ بن الاسود ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا

---

[۲] اس موقع پر ایک نہایت عبرت انگیز اور سبق آموز واقعہ امیر ملت حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کا ہے۔ دوران اسیری انگریز کمانڈنٹ آپ کی درویشی سے متاثر ہو گیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ آپ لوگ ہماری خلافت کے پیچھے کیوں پڑے ہو؟ یہ تو ایک مردہ خلافت ہے' اس سے آپ کو کیا تکلیف ہے؟ اس نے جواب دیا "مولانا آپ اتنے سادہ نہ بنئے! آپ بھی جانتے ہیں اور ہم کو بھی معلوم ہے کہ یہ گئی گزری خلافت بھی اتنی طاقتور ہے کہ اگر کہیں دار الخلافہ سے جہاد کا اعلان ہو جائے تو مشرق سے مغرب تک لاکھوں مسلمان سر سے کفن باندھ کر میدان میں نکل آئیں گے۔!!

[۳] منطق میں دو معلوم یا تسلیم شدہ باتوں یا قضیوں کو ترتیب دے کر کسی نامعلوم بات جسے نتیجہ کہتے ہیں' تک پہنچنے کو قیاس کہتے ہیں۔ معلوم قضیوں کا subject موضوع کہلاتا ہے۔ جس قضیہ کا موضوع زیادہ افراد پر مشتمل ہوتا ہے وہ قضیہ "کبریٰ" کہلاتا ہے اور جس کا موضوع نسبتاً کم افراد پر مشتمل ہوتا ہے اس مقدمے کو "صغریٰ" کہتے ہیں۔ دو قضیوں میں جو مشترک بات ہوتی ہے اسے "حد اوسط" کہتے ہیں۔ صغریٰ اور کبریٰ میں سے حد اوسط نکال دینے سے نتیجہ سامنے آ جاتا ہے۔ مثلاً کرکٹ کھیل ہے (صغریٰ) کھیل تفریح ہے (کبریٰ) نتیجہ: کرکٹ تفریح ہے۔ حد اوسط: "کھیل" کو دونوں جملوں سے خارج کر کے نتیجہ معلوم کر لیا گیا۔

لا یبقی علی ظهر الارض بیت مدر ولا وبر الا ادخله الله کلمه الاسلام بعز عزیز اوذل ذلیل۔ اما یعزهم الله فیجعلهم من اهلها اویذلهم فیدینون لها (مسند احمد بن حنبل بسند صحیح)

"زمین کی پشت پر نہ کوئی اینٹ گارے کا گھریاتی رہے گا نہ کمبلوں سے بنا ہوا کوئی خیمہ جس کے اندر اللہ تعالیٰ اسلام کا کلمہ داخل نہ فرمادے' عزت دار کی عزت کے ساتھ یا مغلوبیت پسند کی مغلوبیت کے ساتھ۔ یا تو اللہ ان کو اس کلمہ کے ذریعہ عزت دے گا تو وہ خود اس کلمہ والے بن جائیں گے یا وہ ان کو مغلوب کردے گا تو وہ اس کے مطیع اور تابع بن جائیں گے"۔

راوی حدیث (حضرت مقدادؓ) کہتے ہیں تو میں نے (اپنے دل میں) کہا تب وہ بات پوری ہو جائے گی کہ "دین کل کا کل اللہ کے لئے ہو جائے"۔

گویا احادیث مبارکہ کی ان پیشین گوئیوں کو سامنے رکھا جائے تو اس بات میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ کل روئے ارضی پر اللہ کا دین غالب ہوگا۔

فلسفہ ارتقاء اور غلبہ دین

اسی بات کو میں دو اور حوالوں سے واضح کرنا چاہتا ہوں۔ پہلی بات کا تعلق فلسفہ ارتقاء سے ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم نے اپنی کتاب Idealogy of the Future میں فلسفہ ارتقاء کے مختلف مراحل بیان کئے ہیں۔ ایک فلسفہ ارتقاء وہ ہے جسے ڈارون نے بیان کیا ہے۔ اس کے فلسفہ ارتقاء کو ذہن سے نکال دیجئے' کہ اس کے بعض گوشے ابھی تک حیاتیات کے میدان میں بھی مسلم نہیں سمجھے جاتے۔ تاہم جہاں تک تعلق ہے نفس ارتقاء کا تو اس کو سب سے پہلے بیان کرنے والے تو مسلمان فلسفی ابن مسکویہ ہیں۔ اس فلسفہ کو بعد میں مولانا روم نے بھی بیان کیا ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم ارتقاء کا پہلا مرحلہ Physical Evolution یعنی ارتقاء طبعی بیان کرتے ہیں۔ کائنات کی تخلیق کے جدید نظریات کے مطابق تخلیق کا ایک مرحلہ (Stage) وہ ہے جس سے پھر کیمیاوی مرکبات (Chemical Compounds) بنے ہیں۔ ان میں جب عضوی مرکبات (Organic Compounds) وجود میں آگئے جن میں حیات کی صلاحیت تھی تو گویا Physical Evolution اپنے نقطہ عروج کو پہنچ گیا۔ اب حیات کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد ارتقا کا Second Phase ہے حیاتیاتی ارتقاء (Biological Evolution)' ڈارون کی بحث اسی Phase تک محدود ہے۔ انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی یہ ارتقاء بھی اپنے عروج کو پہنچ گیا۔ اس سے آگے حیاتیاتی ارتقاء کی کوئی منزل نہیں۔

اس کے بعد ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم نے جس مرحلہ ارتقاء کا ذکر کیا ہے (وہ اسے ایک مرحلہ کہتے ہیں مگر میں اسے دو مرحلوں میں تقسیم کرتا ہوں) وہ مرحلہ ہے نفسیاتی اور ذہنی ارتقاء یا Psychological and Intellectual Evolution کا مرحلہ جس سے انسان کا نفسیاتی اور ذہنی ارتقاء شروع ہوا۔ میرے نزدیک اسی کا انتہائی ذہنی عروج حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ ڈاکٹر رفیع الدین اس کو نبی اکرم ﷺ تک لے آئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم کی تین نسبتیں ہیں' یعنی (i) خلیل اللہ (ii) امام الناس اور (iii) ابوالانبیاء یعنی ان کے بعد تمام انبیاء انہی کی نسل سے ہوئے ہیں چاہے وہ بنی اسرائیل میں سے ہوں چاہے بنی اسمٰعیل میں سے ہوں یا بنی مدین میں سے۔

ان تین نسبتوں میں سے "خلیل اللہ" کی نسبت بہت اہم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں فرمایا تھا "لو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابابکرا خلیلا" اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا (یعنی انسانوں میں سے) تو ابوبکر کو خلیل بناتا۔

اس حدیث سے دو عظیم حقیقتیں منکشف ہوتی ہیں۔ پہلی یہ کہ انبیاء کے علاوہ انسانوں میں سے عظیم ترین انسان ابوبکرؓ ہیں۔ دوسری یہ کہ وہ بھی اس مقام پر نہیں کہ جس کو خلیل کہا جاسکے "خلیل" وہ لفظ ہے جو اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم کے لئے استعمال کر رہا ہے۔ فرمایا: ﴿واتخذ الله ابراهیم خلیلا﴾ (النساء: ۱۲۵) یعنی "اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو خلیل بنا لیا"۔ دراصل محمد رسول اللہ ﷺ پر رسالت کی تکمیل ہوئی ہے۔ آپ نے ایک معاشرے کو وہاں تک بلند کر دیا جہاں تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو رفعت عطا فرمائی تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ہلاک ہوئی' اسی طرح ہود علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام کی قومیں ہلاک ہوئیں' لیکن محمد رسول اللہ ﷺ نے قوم کو Uplift کیا ہے' ایک معاشرہ قائم کیا ہے۔ یہ وہ کمال ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے کر دکھایا ہے۔

اب اس سے اگلی بات وہ ہے جس کو ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم نے بیان کیا ہے۔ ارتقاء کا اب صرف ایک امکانی Phase اور ہے' یعنی Globalization of the Revolution of Mohammad۔ مطلب یہ کہ دنیا کا عمرانی ارتقاء اس انتہا کو پہنچ جائے گا جس کی جھلک محمد رسول اللہ ﷺ نے دکھائی تھی اور نوع انسانی کی اجتماعی یادداشت میں جس کو ایک خواب کی حیثیت حاصل ہے۔ آپ نے جو معاشرہ قائم کیا تھا اس کی بنیاد پر ۱۹۳۷ء میں گاندھی نے اپنے اخبار ہریجن میں ایک مقالے میں کانگریسی ورکراء کو خطاب کرتے ہوئے لکھا تھا کہ: "میں آپ لوگوں کے سامنے ابوبکر و عمر کی مثال پیش کرتا ہوں"۔ نبی اکرم ﷺ نے جو نظام قائم کیا وہاں تک تو ابھی انسانی فکر پہنچ بھی نہیں سکی ہے۔ علامہ اقبال نے صورت حال کی صحیح صحیح تعبیر کرتے ہوئے کہا ہے۔

ہر کجا بینی جہان رنگ و بو
زاں کہ از خاکش بروید آرزو

یا زنور مصطفٰے او را بہا ست

یا ہنوز اندر تلاش مصطفٰے ست! {۴}

گویا انسانیت کے دامن میں جو خیر اور بھلائی ہے وہ نور مصطفٰے ﷺ سے مستعار ہے۔ یا پھر انسانیت ابھی اس طرف جا رہی ہے جہاں محمد ﷺ نے اسے چودہ سو برس پہلے ہی پہنچا دیا تھا۔ یہ ہے ارتقاء کی آخری منزل' لہٰذا فلسفہ ارتقاء کے حوالے سے بھی "نظام خلافت" کا احیاء لازمی ہے۔

New World Order سے نظام خلافت تک

اب ہم ایک اور اعتبار سے غور کرتے ہیں۔ اس وقت دنیا میں نئے عالمی نظام کے بارے میں سوچا جا رہا ہے۔ خلیج کی جنگ کے بعد اس کا شور کچھ زیادہ ہی ہو گیا ہے۔ صنعتی اور سائنسی ترقی کی وجہ سے فاصلے معدوم ہو کر رہ گئے ہیں۔ پوری دنیا نے ایک شہر کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ اسی وجہ سے سوچا جاتا رہا ہے کہ پوری دنیا کے لئے کوئی ایک نظام بھی تو ہونا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلی جنگ عظیم کے بعد League of Nations وجود میں آئی' لیکن چونکہ اس نظام کے لئے انسان کے پاس کوئی فکری بنیاد نہیں لہٰذا وہ جلد ہی ناکام ہو گئی۔ اس "انجمن اقوام" کے بارے میں اقبال نے تبصرہ کیا تھا:

بے چاری کئی روز سے دم توڑ رہی ہے
ڈر ہے خبر بد نہ مرے منہ سے نکل جائے
تقدیر تو مبرم نظر آتی ہے ولیکن
پیران کلیسا کی دعا یہ ہے کہ ٹل جائے

"انجمن اقوام" کی ناکامی اور دوسری جنگ عظیم کے بعد ایک اور ادارہ تنظیم اقوام متحدہ (United Nations Organization) کے نام سے وجود میں آیا۔ یہ بھی عالمی نظام کے قیام کی ایک کوشش ہے۔ مگر یہ ادارہ بھی ناکام ہو چکا ہے۔ اب اس کی حیثیت امریکہ کے گھر کی لونڈی کی ہے۔ چنانچہ اب یہ New World Order آیا ہے' یہ بھی اسی ارتقاء کی طرف ایک پیش قدمی ہے۔ اگرچہ یہ نیا عالمی نظام ابھی تک پوری طرح جڑ نہیں پکڑ سکا' تاہم عالم اسلام پورے کا پورا اس کی گرفت میں آ چکا ہے۔ البتہ چائنا' جاپان اور شمالی کوریا کو زیر نگیں کرنے میں کچھ وقت لگے گا۔

یہ New World Order درحقیقت Jew World Order ہے۔ یہ ۱۸۹۷ء میں پروٹوکولز کا جو نقشہ "صیہونی اکابر" (Elders of the Zions) نے بنایا تھا' وہی تدریجاً روبعمل آ رہا ہے۔ ۱۹۱۷ء کا اعلان بالفور {۵} پھر ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کا قیام' ۱۹۶۷ء میں عربوں سے جنگ اور اسرائیل کی فتح' یہ سارے واقعات ایک تدریجی عمل کا حصہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسرائیل یروشلم کے سوا تمام معاملات پر گفتگو کے لئے تیار ہے۔ "جریکو میں اپنی قومی حکومت بنا لو"۔ "غزہ میں بھی Self Rule لے لو"۔ غرض "سب کچھ منظور ہے مگر بات نہیں ہو گی تو یروشلم کے بارے میں' یہ ہمارا اٹوٹ انگ ہے"۔

میرے نزدیک تو شاید دو یا تین سال کی بات ہے کہ مسجد اقصیٰ گرائی جائے گی۔ اس کی جگہ وہ ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ تقریباً دو ہزار سال سے ان کا یہ "کعبہ" گویا گرا پڑا ہے۔ اسرائیلی وہاں جاتے ہیں اور رو دھو کر واپس آ جاتے ہیں۔ وہاں جا کر اسرائیلی دیوار سے سر ٹکراتے ہیں۔ اگرچہ یہ ٹکریں Symbolic ہوتی ہیں تاہم movement تو ایسی ہی بناتے ہیں جیسے کہ سچ مچ ہی ٹکریں مار رہے ہوں۔ اب وہ اسے تعمیر کریں گے۔ مسجد اقصیٰ اب ان کے لئے گرانا مشکل نہیں رہا۔ اس لئے کہ بابری مسجد گرا کر انہوں نے مسلمانوں کی نبض پر ہاتھ رکھ کر دیکھ لیا ہے کہ ان میں کوئی جان نہیں ہے۔ بس عالم عرب کے کچھ جوشیلے نوجوان احتجاج کے لئے کھڑے ہوں گے۔ انہیں بھوننے کے لئے اسرائیل کو اپنی گولیاں بھی ضائع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے لئے حسنی مبارک موجود ہے' شاہ فہد صاحب ہیں' اور بھی جو اردن اور مراکو کے بادشاہ اور الجزائر کے ڈکٹیٹر ہیں۔ اس فہرست میں اب پی۔ ایل۔ او کے صدر یاسر عرفات کا اضافہ ہو گیا ہے۔ اس ساری گفتگو سے نتیجہ یہ نکال رہا ہوں کہ New World Order جو درحقیقت Jew World Order ہے وہ ایک دفعہ تو قائم ہو گا' لیکن قائم ہونے کے بعد اسے Just World Order of Islam میں بدلنا اگلا قدم ہو گا۔

اس تبدیلی کو ایک مثال سے سمجھ لیجئے' فرض کیجئے آپ کو سو آدمیوں کو مسلمان بنانے کی ذمہ داری سپرد کی گئی ہے۔ اب اگر یہ سو آدمی بالفرض ایک آدمی کی شکل اختیار کر لیں یا کسی ایک آدمی کا مسلمان ہونا سب کے مسلمان ہونے کا وسیلہ بن جائے تو آپ کا کام کتنا آسان ہو جائے گا۔ اس مثال کو سامنے رکھتے ہوئے دیکھئے دنیا عالمی نظام کی طرف جا رہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس عالمی نظام کو اسلام کی طرف لانا صرف ایک shift over کی بات رہ جائے گی۔ اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبر کی صداقت ثابت ہو جائے گی۔ وہ اسلام کا عالمی نظام ہو گا۔ اور اسی نظام کو حضور ﷺ نے "خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" کا نام دیا ہے۔

دور سعادت سے پہلے

اب تک جو کچھ بیان کیا گیا وہ بہت ہی خوش آئند ہے کہ اللہ کا دین پورے کرۂ ارض پر غالب ہو گا۔ لیکن اس عظیم کامیابی کی منزل تک پہنچنے سے پہلے کن دردناک حالات سے گزرنا ہو گا اور گوہر بننے سے قبل قطرے پر کیا کچھ گزرے گی' یہ دردناک باب ہے۔ اس کی خبریں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دی ہیں۔ افسوس کہ احادیث کی طرف ہمارا رجحان ہی نہیں ہے۔ عوام کا تو خیر ذکر ہی کیا کئی علماء نے بھی مجھے بتایا کہ "یہ جو کتب احادیث کے آخر میں "کتاب الفتن" "کتاب الملاحم" اور "علامات الساعہ" کے عنوان سے ابواب آتے ہیں ہم انہیں پڑھتے ہی نہیں۔ علماء کا سارا زور احادیث کے فقہی مباحث

{۴} جہاں جہاں تم کو رنگ و بو کی ایسی دنیا نظر آتی ہے جس کی خاک سے آرزو کا پودا اپھوٹتا ہے' اس دنیا کی رونق یا تو مصطفٰے ﷺ کے نور سے ہے۔ یا وہ دنیا ہنوز مصطفٰے (ﷺ) کی تلاش میں ہے۔

{۵} جنگ عظیم اول میں برطانوی وزیر خارجہ جس نے جنگ میں یہودی امداد کے معاوضہ میں فلسطین میں جنگ کے بعد یہودی حکومت (اسرائیل) کے قیام کا اعلان کیا تھا۔

پر صرف ہو جاتا ہے۔ حالانکہ احادیث صحیحہ اور متواترہ میں جو خبریں اور پیشین گوئیاں موجود ہیں ان سے صرف نظر کا کیا جواز ہے؟ بات یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی علیہ ما علیہ نے احادیث نزول مسیح کی جو توجیہہ کی اور پھر خود ہی مسیح بن بیٹھا اس سے عام مسلمان کہتے ہیں کہ ان باتوں کو سرے سے چھوڑ ہی دو' ان میں پڑنے کی ضرورت کیا ہے جس سے اہل فتنہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جبکہ یہ باتیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہیں بہت اہم ہیں' ان سے استغناء برتنا گویا محمد رسول اللہ ﷺ کے مقام و مرتبہ کو کم کرنا ہے۔ بہرحال احادیث مبارکہ کی روشنی میں دیکھا جائے تو آنے والا وقت مغربی سامراج کی غلامی سے بھی زیادہ سخت ہو گا۔

میں اپنی بات کو اگر ایک جملے میں بیان کروں تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ عالمی خلافت سے قبل دو مسلمان امتوں کو ان کی سزاؤں کی آخری قسط ملنی ہے۔ اس جملہ کی مختصر تشریح کے سلسلہ میں پہلا سوال تو یہی ہے کہ وہ دو مسلمان امتیں کون سی ہیں؟ تو ذرا سورۂ نور کی آیت ۵۵ جس کا حوالہ پہلے آ چکا ہے' اس پر ایک نظر ڈالئے۔ اس کے الفاظ اس طرح ہیں :

﴿....لیستخلفنهم فی الارض کما استخلف الذین من قبلهم....﴾

"....ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے...."

گویا پہلے بھی ایک امت مسلمہ تھی۔ اور اگر میری بات کا غلط مفہوم نہ لیا جائے تو کہوں گا کہ بعض اعتبارات سے سابقہ امت مسلمہ ہم سے افضل تھی۔ بلکہ شاید یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ اسے فضیلت مطلقہ حاصل تھی۔ جس طرح جزوی فضیلت تو کسی نبی کو حاصل ہو سکتی ہے لیکن کلی اور مطلق فضیلت حضور ﷺ ہی کو حاصل ہے۔ چنانچہ سابقہ امت مسلمہ کے لئے قرآن حکیم میں دو جگہ ارشاد ہوا ہے :

﴿وانی فضلتکم علی العلمین﴾ (البقرہ : ۴۷ و ۱۲۲)

"میں نے تم کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی"۔

جبکہ ہمارے لئے جو الفاظ آئے ہیں وہ صرف یہ ہیں :

﴿وکذلک جعلنکم امه وسطا...﴾ (البقرہ : ۱۴۳)

"اور ہم نے تم کو "امت وسط" بنایا"۔

دونوں آیات کے تیور اور کلمات کے فرق کو دیکھئے !

اس کے علاوہ یہ پہلی امت وہ امت ہے جس میں ۱۴ سو برس تک نبوت کا سلسلہ نہیں ٹوٹا۔ ۱۴ سو قبل مسیح دو رسولوں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ سے یہ سنہری زنجیر شروع ہوئی اور اس زنجیر کے اختتام پر بھی دو ہی نبی حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام موجود تھے۔ اس سنہری زنجیر کے درمیان جب بھی کوئی نبی فوت ہوا تو کوئی نبی ہی اس کا جانشین بنا۔ اس سابقہ امت کی تاریخ ۳۴ سو برس پر محیط ہے۔ چودہ سو سال قبل مسیح میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات ملی تھی۔ بنی اسرائیل تو پہلے بھی موجود تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نبی تھے۔ حضرت موسیٰ اور ان کے درمیان کسی نبی کا تذکرہ نہیں ملتا {۶} لیکن بنی اسرائیل کے ۱۲ قبیلے تو موجود تھے۔ پھر تورات ملنے کے بعد ان کو امت کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے :

﴿واتینا موسی الکتب وجعلناه هدی لبنی اسراء یل الا تتخذوا من دونی وکیلا﴾ (بنی اسرائیل : ۲)

"اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس (کتاب) کو بنی اسرائیل کا رہنما بنایا کہ (دیکھو) میرے سوا کسی کو سرپرست نہ بنانا"۔

گویا یہاں سے امت کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔

اس امت کو ایک ہی کتاب نہیں دی گئی بلکہ کئی کتابیں دی گئیں۔ دو کتابیں تو وہ ہیں جن پر ہمارا بھی ایمان ہے۔ زبور اور انجیل --- ان کے علاوہ متعدد صحیفے بھی عطا کئے گئے۔

یہ ہے وہ سابقہ امت مسلمہ جس کی فضیلت کے لئے قرآن حکیم میں مذکورہ بالا آیت دو مقام پر آئی ہے۔ بالکل اسی طرح دو ہی دفعہ یہ مضمون بھی آیا ہے :

﴿ضربت علیهم الذله والمسکنه وباء و بغضب من الله﴾ (البقرہ : ۶۱۔ آل عمران : ۱۱۲)

"ان پر ذلت و مسکنت تھوپ دی گئی اور وہ اللہ کے غضب کی طرف لوٹے"

ایک طرف ان کو یہ فضیلت دی گئی اور دوسری طرف وہی قوم مغضوب و ملعون قرار پا گئی۔ سورۂ فاتحہ کے کلمات "مغضوب علیهم" کی تفسیر میں سب متفق ہیں کہ ان سے مراد یہود ہیں اور "الضالین" سے مراد نصاریٰ ہیں۔ قرآن حکیم میں آتا ہے :

﴿لعن الذین کفروا من بنی اسراء یل علی لسان داود وعیسی ابن مریم...﴾ (المائدہ : ۱۸۷)

"داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبانی بنی اسرائیل میں سے ان لوگوں پر لعنت کی گئی جنہوں نے کفر کیا"۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟۔ دراصل اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کے کچھ قوانین ہیں جن کو سمجھ لینا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قانون عذاب کے سلسلہ میں پہلی بات یہ ہے کہ یہ دنیا افراد کے لئے دار العذاب نہیں ہے' جبکہ قوموں کے لئے دار العذاب ہے۔ افراد کے لئے عذاب و ثواب

{۶} قرآن حکیم کی ایک آیت سے بھی اشارہ نکلتا ہے کہ دونوں--- حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ --- کے درمیان کوئی دوسرا نبی نہیں تھا۔ آل فرعون میں سے ایک مومن کے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں : ﴿حتی اذا هلک قلتم لن یبعث الله من بعده رسولا﴾ (غافر : ۳۴) "یہاں تک کہ جب وہ (حضرت یوسفؑ) وفات پا گئے تو تم یہ کہنے لگے اب ان کے بعد اللہ کوئی اور رسول نہیں اٹھائے گا"۔

کا فیصلہ آخرت میں ہوگا۔ آخرت میں ہر شخص انفرادی حیثیت میں آئے گا۔ بقول علامہ اقبال۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
نہیں کرتی کبھی ملت کے گناہوں کو معاف!

پھر قوموں پر دو طرح کے عذاب آتے ہیں۔ ایک بڑا عذاب' جسے قرآن مجید "العذاب الاکبر" کہتا ہے۔ اسے عذاب استیصال بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس عذاب میں قوموں کا نام و نشان مٹا دیا جاتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے وہ کبھی تھے ہی نہیں۔ یہ عذاب صرف ان قوموں پر آتا ہے جن کی طرف کسی رسول کو مبعوث کیا گیا ہو اور قوم نے بحیثیت مجموعی رسول کی دعوت کو ٹھکرا دیا ہو۔ قوم نوح' قوم صالح' قوم ہود' قوم شعیب' قوم لوط اور آل فرعون اسی عذاب استیصال سے دوچار ہوئیں۔ اور یہ چھ مثالیں قرآن مجید میں پندرہ مرتبہ بیان کی گئیں ہیں۔

اس سے کم درجے کا عذاب آتا ہے اس مسلمان امت پر جو زمین پر اللہ کی نمائندہ ہونے' حامل کتاب الٰہی ہونے اور وارث علوم نبوت ہونے کے باوجود اپنے عمل سے الٹی نمائندگی شروع کر دے۔ ظاہر ہے کہ اس سے بڑا مجرم کوئی نہیں۔ باقی نوع انسانی کی گمراہی اور جرائم کی ذمہ دار بھی یہی قرار پاتی ہے۔ کیونکہ پیغام حق پہنچانا اس کا فرض تھا۔ اگر وہ یہ پیغام حق بے کم و کاست پہنچا دیتی اور پھر دنیا نہ مانتی تب تو انکار کرنے والے مجرم قرار پاتے اور وہ امت بری الذمہ سمجھی جاتی۔ مگر جب اس امت مسلمہ نے پہنچانے کا فرض ادا نہیں کیا تو اب مجرم وہ خود بن گئی کہ اللہ کی زمین پر اس کی نمائندگی کی دعویدار بھی ہے اور عمل اس کے برعکس ہے۔ اس سے بڑا جرم اور کوئی نہیں۔ یہی عذاب ہے جو بنی اسرائیل پر آیا اور جو امت محمدؐ پر آیا۔

اس موقع پر میں ایک عظیم حدیث مبارکہ کا حوالہ دینا چاہتا ہوں۔ یہ حدیث دراصل بہت بڑے خزانے کی کلید ہے۔ اس کے راوی حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میری امت پر وہ سارے حالات وارد ہو کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر وارد ہوئے بالکل ایسے جیسے ایک جوتی کا تلوا دوسری جوتی کے بالکل مشابہ اور برابر ہوتا ہے"۔ "حضور کی فصاحت و بلاغت کی انتہا ہے۔ جوتی کا جوڑا اگر اوپر سے دیکھا جائے تو ان کے چھوٹے بڑے ہونے کا فرق نظر نہ آئے گا لیکن جب ان کے تلوے جوڑ کر دیکھا جائے گا تو جوڑی کا فرق معلوم ہو جائے گا۔ اور اگر صحیح جوڑی ہوئی تو دونوں کے تلووں میں کوئی فرق نہ ہوگا۔

تاریخ کے مطالعہ سے اس حدیث کے کلید ہونے کی حیثیت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ نبی ﷺ کی بعثت تک بنی اسرائیل پر دو عروج کے دور آ چکے تھے اور زوال کے بھی دو ہی دور بیت چکے تھے۔ سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں ان دو ادوار کا ذکر ہے۔ فرمایا:

﴿ وقضینا الی بنی اسراء یل فی الکتب لتفسدن فی الارض مرتین و لتعلن علوا کبیرا ○ ﴾

پہلے آشوریوں کے ہاتھوں اسرائیل کی حکومت ختم ہوئی۔ اس کے بعد کلدانیوں کے ہاتھوں تباہی آئی۔ چھ سو برس قبل مسیح بخت نصر کے ہاتھوں چھ لاکھ انسان یروشلم میں قتل ہوئے اور چھ لاکھ کو وہ قیدی بنا کر لے گیا۔ یروشلم میں ایک متنفس نہیں چھوڑا۔ ہیکل سلیمانی کو مسمار کر کے ہموار کر دیا۔ اس کی بنیادیں تک کھود کے پھینک دیں۔ اس کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام نے توبہ کی دعوت و منادی دی' جس پر یہ جاگے اور اللہ کے حضور توبہ کی۔ تب سائرس کے ہاتھوں اللہ نے بابل کی اسیری سے نجات دلائی۔ اس کے بعد یہ یروشلم آئے اور ہیکل سلیمانی' جو ان کے ہاں کعبے کا درجہ رکھتا ہے' کو تعمیر کیا۔ یہ ان کا دوسرا دور عروج ہے۔ لیکن انہوں نے پہلے کی طرح پھر کتاب اللہ کو پیٹھ دکھائی' عیاشیوں اور بدمعاشیوں میں مبتلا ہوئے اور طاؤس و رباب میں غرق ہو کر تباہی کے اسی راستے پر چل پڑے جس کو علامہ اقبال نے یوں بیان کیا ہے۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول' طاؤس و رباب آخر!

لہٰذا پھر عذاب کا کوڑا برسا۔ یہ عذاب کا کوڑا پہلے یونانیوں' پھر رومیوں کے ہاتھوں برسا۔ پہلے دور میں سزا آشوریوں کے ہاتھوں آئی جو شمال سے آئے تھے' پھر مشرق سے کلدانی آئے۔ بخت نصر بابل کا بادشاہ تھا۔ دوسرے دور میں پہلے عذاب کے کوڑے یونانیوں کے ہاتھوں برسے اور پھر رومیوں کے ہاتھوں۔ ۷۰ء میں ٹائیٹس رومی نے جو حملہ کیا اس میں ایک لاکھ تینتیس ہزار یہودی ایک دن میں قتل ہوئے۔ باقی یہودیوں کو وہاں سے نکال باہر کیا۔ جب سے اب جا کر اس صدی میں انہیں اپنا گھر نصیب ہوا ہے۔ یروشلم میں ان کا داخلہ بند تھا۔ جب حضرت عمرؓ کے ہاتھوں بیت المقدس فتح ہوا تب جا کر یروشلم میں داخلے کی اجازت ملی۔ حضرت عمرؓ نے اسے "Open City" قرار دیا ورنہ پورے ساڑھے پانچ سو برس تک کوئی یہودی اپنے مقدس شہر میں داخل بھی نہ ہو سکتا تھا۔ بہرحال یہ ہے اس وقت تک کی تاریخ جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی۔

بنی اسرائیل کے عذاب استیصال میں تاخیر کی وجہ

حضرت مسیح علیہ السلام ان کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ سورۂ آل عمران میں ہے: ورسولا الی بنی اسراء یل (یعنی بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے رسول) انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت کو رد کر دیا بلکہ اپنی طرف سے تو گویا ان کو سولی پر چڑھا دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا' لہٰذا اسی وقت سے یہ قوم عذاب استیصال کی مستحق ہو چکی ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل ہی کے دوسرے رکوع میں آیا ہے:

﴿ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا ﴾ (بنی اسرائیل: ۱۵)

یعنی "ہم اس وقت تک عذاب (استیصال) نہیں نازل کرتے جب تک ہم اپنا رسول نہ بھیج دیں"۔

(باقی صفحہ ۱۷ پر)

عوامی لیگ کی لیڈر نے غیر معمولی صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا

قومی و ملکی مسائل کو حل کرنے کے لئے قومی اتحاد لازمی ہے

محمد بدر منیر

وزیر اعظم شیخ حسینہ واجد کی حکومت کو درپیش چیلنج' عام انتخابات کے چند دلچسپ واقعات

بنگلہ دیش میں عام انتخابات کے بعد نئی حکومت قائم ہو چکی ہے۔ انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد فاتح جماعت کا رویہ نرم ہے' وزیر اعظم حسینہ واجد نے پارلیمنٹ کے اندر اور باہر کی تمام سیاسی جماعتوں سے تعاون کی گزارش کی ہے جن میں سابق حکمران جماعت بی این پی بھی شامل ہے۔ فطری طور پر بی این پی نے اس گزارش یا پیش کش کو مسترد کرنے کا اعلان کیا ہے اور ہائی کورٹ سے رجوع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اگرچہ عوامی لیگ کی کامیابی میں شیخ مجیب الرحمٰن کی تصاویر اور نعروں نے نمایاں کردار ادا کیا ہے لیکن حسینہ واجد اور پروفیسر مطیع چوہدری کی تقریروں نے بھی اپنا کام دکھایا۔ پروفیسر مطیع چوہدری ایوب خان کے زمانے ہی سے جلسہ عام کی مقرر ہیں اور اب بڑھاپے کے باوجود ان کی آواز میں وہی گھن گرج ہے' کبھی وہ پروفیسر مظفر گروپ کی نیپ کی رہنما تھیں۔ پندرہ سال سے وہ عوامی لیگ میں ہیں۔ حسینہ واجد ایڈن گرلز کالج کے زمانے ہی سے طلبہ کی سیاست میں سرگرم تھیں لیکن ان کی تقریریں اسٹوڈنٹس لیگ کے جلسوں تک ہی محدود تھیں' گریجویشن کے بعد جب ان کی شادی ہوئی تو وہ ایک مکمل خانہ دار خاتون بن گئی۔ اگرچہ بنگلہ دیش بننے کے بعد انہیں حکومت میں آنے کے کئی مواقع ملے' ان کے شوہر کو بھی حکومتی عہدوں کی پیشکش کی گئی لیکن ان دونوں نے اپنے گھر سے باہر آنے کا انکار کر دیا۔ ان کے شوہر مغربی جرمنی کے ایک ایٹمی مرکز میں ملازم تھے اور اب بھی وہیں ہیں لیکن اپنے والد اور اہل خاندان کی المناک موت کے بعد اپنے والد کی سیاسی وراثت انہیں سنبھالنی پڑی اور کم و بیش اکیس سال کی طویل سیاسی جدوجہد کے بعد ان کی سیاسی جماعت کو ایوان اقتدار میں داخل ہونے کا موقع ملا۔ ان بیس برسوں کا زیادہ تر حصہ لاٹھی چارجز اور اشک آور گیس کا سامنا کرتے ہوئے گزرا۔ کم و بیش دو سال مسلسل "نگران حکومت" کے زیر اہتمام عام انتخابات منعقد کرنے کی تحریک چلائی۔ بالآخر حکمرانوں کو یہ مطالبہ تسلیم کر کے اپنے زیر اہتمام منعقدہ عام انتخابات کو کالعدم قرار دے کر عام انتخابات منعقد کرانے پڑے جس میں عوامی لیگ کو کامیابی حاصل ہوئی۔

صدر عبدالرحمٰن بسواس نے شیخ حسینہ واجد کو حکومت بنانے کی دعوت تاخیر سے دی اگرچہ انہوں نے اس تاخیر کی وجہ یہ بیان کی کہ ابھی تیس نشستوں کے نتائج باقی ہیں لیکن درحقیقت انہیں اس بات کا انتظار تھا کہ ان کی پارٹی بی این پی جنرل ارشاد کی جاتیو پارٹی سے کوئی سودے بازی کرنے میں شاید کامیاب ہو جائے۔ بنگلہ دیش دارالحکومت میں باخبر حلقوں کا یہ کہنا ہے کہ جناب صدر نے ہی بیگم خالدہ ضیاء کو مشورہ دیا تھا کہ وہ بیگم روشن ارشاد کو وزارت عظمیٰ کے عہدے کی پیشکش کر دیں اور انہوں نے یہ پیشکش بھی کی لیکن جاتیو پارٹی کے رہنماؤں جنرل ارشاد اور میزان الرحمٰن چوہدری نے یہ پیشکش مسترد کر کے عوامی لیگ کے ساتھ غیر مشروط تعاون کا اعلان کر دیا۔ شنید ہے کہ بیگم خالدہ ضیاء نے جنرل ارشاد کے خلاف مقدمات کی واپسی اور ان کی رہائی کی بھی پیشکش کی تھی لیکن جنرل ارشاد اور ان کی بیگم نے شیخ حسینہ واجد اور عبدالصمد آزاد کی اس منطق سے اتفاق کیا کہ سودے بازی کے نتیجے میں جنرل ارشاد کی رہائی یا مقدمات کی واپسی ان کی پوزیشن کو عوام کی نگاہوں میں "مشکوک" رکھے گی اس لئے بہتر یہی ہے کہ انہیں عدالت کے ذریعے ہی باعزت طور پر بے گناہ قرار دے کر رہائی ملے ---- توقع کی جا رہی ہے کہ عبدالرحمٰن بسواس کی جگہ جاتیو پارٹی کے رہنما میزان الرحمٰن چوہدری کو عوامی لیگ اور جاتیو پارٹی کا متفقہ صدارتی امیدوار نامزد کیا جائے' میزان الرحمٰن چوہدری ملک کے وزیر اعظم بھی رہ چکے ہیں۔

اب ذرا عام انتخابات کے دوران رونما ہونے والے بعض دلچسپ اتفاقات کا بھی تذکرہ ہو جائے --- عام انتخابات میں ۳۶ خاتون امیدواروں نے حصہ لیا ان میں بیگم خالدہ ضیاء نے پانچ اور شیخ حسینہ واجد اور بیگم روشن ارشاد نے تین تین نشستوں سے انتخاب لڑا اور کامیاب ہوئیں۔ سب سے زیادہ خاتون امیدواروں کی تعداد ڈاکٹر کمال حسین کی "نیشنل فورم" کی ٹکٹ یافتہ امیدواروں کی تھی اور بدقسمتی سے ان میں سے کسی کو بھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ کل خاتون امیدواروں کی تعداد ۳۶ تھی جن میں سے پانچ کو کامیابی حاصل ہوئی۔ بیگم حسینہ واجد باگیر ہاٹ کے حلقہ ۲ سے بھی کھڑی ہوئی تھیں اور بی این پی نے ان کے خلاف جس امیدوار کو کھڑا کیا تھا اس کا نام "شیخ مجیب الرحمٰن" تھا' ظاہر ہے یہ ایک شرارت تھی لیکن "شیخ مجیب الرحمٰن" کے نام میں اتنا سحر تھا کہ وہ ۳۵ ہزار سے زیادہ ووٹ لے گیا' اگرچہ وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ کامیاب ہونے والی پانچ خاتون امیدواروں میں شیخ حسینہ واجد' بیگم روشن ارشاد' بیگم خالدہ ضیاء کے علاوہ چوتھی قابل ذکر شخصیت پروفیسر مطیع چوہدری کی ہے (جنہیں بعض اخبارات "موتیا چوہدری" بھی لکھتے ہیں)۔ جنرل ارشاد نے اپنے آبائی ضلع رنگ پور کی پانچوں نشستوں سے انتخاب لڑا اور ان پر کامیابی حاصل کی' ۱۹۹۱ء کے انتخابات میں بھی انہوں نے یہی حکمت عملی اختیار کی تھی اور جملہ ذرائع ابلاغ اور سیاسی جماعتوں کی مخالفت کے باوجود نہ صرف یہ کہ خود کامیابی حاصل کی تھی بلکہ اسمبلی میں اپنی پارٹی کے لئے ۳۵ نشستیں بھی حاصل کی تھیں۔ موجودہ انتخابات میں سب سے بڑی ناکامی جماعت اسلامی کو ہوئی جس نے صرف تین نشستیں حاصل کیں جبکہ سابقہ اسمبلی میں اس کی بیس نشستیں تھیں' جماعت کے سیکرٹری جنرل مطیع الرحمٰن نظامی بھی بری طرح ہار گئے۔ جماعت

کے نئے سربراہ پروفیسر غلام اعظم نے انتخابات میں حصہ ہی نہیں لیا۔ شیر بنگال اے کے فضل الحق مرحوم کے صاحبزادے پروفیسر فیض الحق نے عوامی لیگ کے ٹکٹ پر اور فضل القادر چوہدری مرحوم کے دونوں صاحبزادوں نے بی این پی کے ٹکٹ پر اپنے مدمقابل امیدواروں کو شکست دی۔ مولوی فرید احمد شہید کے صاحبزادے کو بھی کاکس بازار کے حلقہ ۳ سے کامیابی حاصل ہوئی۔ جماعت اسلامی کے علاوہ بی این پی کے سیکرٹری جنرل بھی انتخابات میں ہار گئے۔

عام انتخابات کے انعقاد کو ایک ماہ ہونے والا ہے اور عوامی لیگ کو اقتدار سنبھالے (تادم تحریر) بیس دن ہو چکے ہیں۔ ان بیس دنوں میں عوامی لیگ اور وزیر اعظم کا رویہ کافی حد تک نرم رہا ہے' پارلیمنٹ کی دیوار سے شیخ مجیب الرحمٰن کی تصویر ہٹائے جانے کے باوجود انہوں نے کسی برہمی یا اشتعال کا مظاہرہ نہیں کیا' بنگلہ دیش سے انتخابی نتائج سے ایک دو روز قبل ہی شیخ مجیب کے قاتلوں کے بیرون ملک فرار اور پاکستان میں ان کی موجودگی کے باوجود بنگلہ دیش کی حکمران جماعت نے کوئی احتجاج نہیں کیا اور نہ اس کے ذمہ داروں کے خلاف کوئی انضباطی کارروائی کی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عوامی لیگ کو نہ صرف یہ کہ ملک اور قوم کو درپیش مشکلات کا بخوبی احساس ہے بلکہ وہ مختلف الخیال سیاسی عناصر کو بھی ساتھ لے کر چلنا چاہتی ہے۔ اس صدی کے آخر تک دنیا اور بالخصوص بنگلہ دیش جیسے ممالک کو جو چیلنج درپیش ہیں ان کا سامنا کرنے کے لئے قومی اتحاد ضروری ہے ورنہ استعماری قوتیں ان کا استحصال جاری رکھیں گی اور آنے والی صدی ان قوموں کے لئے غلامی اور محکومی کا بدترین دور لے کر طلوع ہو گی۔ بنگلہ دیش میں اگرچہ جاگیرداریوں کا نظام نہیں ہے لیکن صدیوں کی پسماندگی اور غربت و افلاس نے عام لوگوں کے ذہنوں میں جو تلخیاں بھر دی ہیں ان کے باعث عام لوگوں کو کسی بھی مسئلہ پر برانگیختہ کر کے ملکی استحکام کو خطرے میں ڈالا جا سکتا ہے۔ اس متوقع خطرے سے نمٹنے کے لئے ہر سطح پر قومی اتحاد ضروری ہے اور اس کے ساتھ ہی قومی ترجیحات کا اعلان بھی ضروری ہے۔ اور ان ترجیحات پر عمل درآمد کے لئے شیڈول کا اعلان بھی' کیونکہ عوام صدیوں سے وعدوں وعید پر گزارہ کر رہے ہیں اور ان کے صبر و تحمل کی تمام حدود و قیود کبھی کی ختم ہو چکی ہیں۔ عوام اب اپنے مسائل کا حل چاہتے ہیں اور فوری طور پر۔

(باقی صفحہ ۲۳ پر)

اسرائیل : اعداد و شمار کے آئینے میں

☆ رقبہ : 7992 مربع میل' نیو جرسی سے قدرے زائد' شمال میں لبنان اور شام' مشرق میں اردن' جنوب میں مصر اور بحیرہ احمر اور مغرب میں بحیرہ روم

☆ آبادی : 50.57 ملین' سنٹرل بیورو آف سٹیٹکس کے 1995ء کے اعداد و شمار کے مطابق یہودی کل آبادی کا 81 فیصد ہیں' مسلمان (بیشتر عرب) 802,000' عیسائی (بیشتر عرب) 161500 اور 94700 دروز

☆ زبان : سرکاری زبانیں ہیبرو اور عربی۔

☆ دارالخلافہ : اسرائیل پورے یروشلم کو اپنا دار الخلافہ گردانتے ہیں لیکن اکثر ممالک مشرقی یروشلم جس پر 1967ء کی جنگ میں اسرائیل نے قبضہ کیا تھا' متنازعہ سمجھتے ہیں۔ فلسطینی مشرقی یروشلم کو اپنی مستقبل کی ریاست کا دار الخلافہ تصور کرتے ہیں۔ شہر کی کل آبادی 567000 ہے جس میں 400,000 یہودی اور 167000 غیر یہودی' زیادہ تر عرب ہیں۔

☆ مسلح افواج : فوج 134000 نفری' 3850 ٹینک۔ خیال ہے کہ اسرائیلی فوج کے پاس ایٹمی صلاحیت موجود ہے اور جریکو-1 اور ۲ میزائل کے ذریعے 900 میل سے زیادہ دور تک ایٹم بم پھینک سکتے ہیں۔

☆ ایئر فورس : ہوائی فوج 32000 افراد' 742 لڑاکا طیارے جن میں زیادہ تر امریکی F-4' F-15 اور F-16 ہیں۔

☆ نیوی : 9000 افراد' تین سب میرین اور 62 گشتی اور ساحلی جہاز۔

☆ تاریخ : جدید اسرائیل 1948ء میں برطانیہ کے فلسطین چھوڑنے کے نتیجے میں وجود میں آیا تھا۔ 18-1917ء میں برطانیہ کے قبضے میں آنے تک زیادہ آبادی عربوں کی تھی اور یہ علاقہ سلطنت عثمانیہ میں شامل تھا۔ برطانوی تسلط میں 1948ء تک یہودیوں کی تعداد 40 فیصد ہو گئی جو زیادہ تر نازیوں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر بھاگ کر آنے والوں پر مشتمل تھی عربوں نے اقوام متحدہ کے 1947ء کے منصوبے کے خلاف جس کا مقصد فلسطین کو یہودی اور عرب دو حصوں میں تقسیم کرنا تھا فوری ردعمل کا مظاہرہ کیا جس کے نتیجے میں شدید جنگ چھڑ گئی جو 1949ء کی جنگ بندی تک جاری رہی۔ اس دوران مغربی یروشلم سمیت فلسطین کا 75 فیصد علاقہ اسرائیل کے قبضے میں آ چکا تھا۔ مغربی کنارے اور مشرقی یروشلم کا علاقہ اردن نے اپنے ساتھ ملا لیا غزہ کی پٹی مصر نے لے لی۔ یہودیوں کی باہر سے آمد جاری رہی اور فلسطینی عرب ہمسایہ ممالک میں پناہ گزین ہوتے چلے گئے۔

1967ء کی 6 روزہ جنگ میں اسرائیل نے اردن' شام اور مصر کے علاقے جن میں مشرقی یروشلم' مغربی کنارا' غزہ کی پٹی اور سینائی شامل تھے' فتح کر لئے۔ اکتوبر 1973ء میں ایک اور جنگ ہوئی جس میں مصری اور شامی فوجیں ان علاقوں میں داخل ہو گئیں جن پر اسرائیل نے 1967ء کی جنگ میں قبضہ کیا تھا لیکن بعد میں وہاں سے واپس آ گئیں۔

صدر جمی کارٹر' مصر کے صدر انور سادات اور اسرائیل کے وزیر اعظم متاہم بیگن کے درمیان 1978ء کے کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے کے نتیجے میں اگلے سال اسرائیل اور مصر کے درمیان امن معاہدہ طے پا گیا اور اپریل 1982ء میں سینائی کا علاقہ مصر کو واپس مل گیا۔

1982ء میں اسرائیل نے فلسطینی چھاپہ ماروں کو پیچھے دھکیلنے کے لئے لبنان پر حملہ کر دیا اور 1985ء تک یہ کارروائی جاری رکھی اس کے بعد فوج کا بیشتر حصہ واپس بلا لیا۔

دسمبر 1987ء میں مقبوضہ علاقوں میں "انتفادہ" کے نام سے ایک نئی فلسطینی تحریک نے جنم لیا اور پانچ سال میں افواج کے ہاتھوں 1200 فلسطینی ہلاک ہوئے۔

1991ء میں میڈرڈ میں عرب اسرائیل امن مذاکرات شروع ہوئے۔ 1992ء میں اضحاب رابن کی سربراہی میں بائیں بازو کی جماعت لیبر پارٹی نے شدت پسند لیکود پارٹی کو انتخابات میں شکست دے دی اور خفیہ طور پر یاسر عرفات کی پی۔ ایل۔ او کو حکومت خود اختیاری دینا تسلیم کر لیا۔ ستمبر 1993ء میں واشنگٹن میں اس پر دستخط کر دیئے۔

4 نومبر 1995ء کو تل ابیب میں امن ریلی کے موقع پر امن مخالف ایک مذہبی یہودی نے رابن کو قتل کر دیا۔ رابن کے جانشین شمعون پیریز نے امن معاہدے پر کاربند رہنے کا عزم ظاہر کیا اور دسمبر

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

پوری امت مسلمہ اللہ کی نیابت کے مقام پر فائز ہے

جزیرہ نمائے عرب کو عیسائیوں' یہودیوں اور تمام غیر مسلموں کے تسلط سے پاک رکھنا امت کی ذمہ داری ہے

اخذ و ترجمہ : سردار اعوان تحریر : عمران این حسین

رباط اعلانیہ دو حصوں پر مشتمل تھا۔ ایک کا تعلق اسلام کے عالمی اتحاد سے تھا دوسرے کا تعلق یروشلم' مقبوضہ عرب علاقوں اور مسئلہ فلسطین سے۔ عالمی اتحاد کے بارے میں اعلانیہ میں کہا گیا کہ "حکومتیں مل کر صلاح مشورہ کریں گی تاکہ معاشی' سائنسی' ثقافتی اور مذہبی میدانوں میں اسلام کی ابدی راہنمائی میں آپس کے تعاون اور امداد کو فروغ دیا جائے' لفظ "سیاسی" خاص طور پر شامل نہیں کیا گیا تھا۔ اعلانیہ میں مزید کہا گیا تھا کہ "تمام حکومتوں نے کیا آپس کے جھگڑے پر امن طور پر حل کرنے کے عزم کا اظہار کیا ہے۔" کانفرنس نے جو قرار داد منظور کی تھی وہ اعلانیہ کے اسی حصے سے متعلق تھی اور اسے اتحاد اسلامی کی جانب عملی قدم شمار کیا جا سکتا تھا۔ قرار داد میں بیان کیا گیا تھا کہ کانفرنس کے فیصلے کے مطابق ۶ ماہ کے اندر (یعنی مارچ ۷۰ء تک) وزرائے خارجہ کی ایک اسلامی کانفرنس بلائی جائے گی۔ اس کا ایجنڈا دو امور پر مشتمل ہو گا۔

۱۔ شریک ممالک کی رباط اسلامی سربراہ کانفرنس کے اعلانیہ میں مذکور قرار داد پر بین الاقوامی سطح پر کارروائی کے نتائج کا جائزہ لینا۔

۲۔ ایک مستقل سیکرٹیریٹ کے قیام پر غور کرنا جس کے ذمے کانفرنس میں شامل حکومتوں کے ساتھ رابطہ قائم کرنا اور ان کی سرگرمیوں میں ربط پیدا کرنا ہو۔ اتحاد اسلامی کے حامی ممالک نے ایک اسلامی تنظیم کے قیام کے لئے شام' عراق اور مصر کے صدر ناصر کی کانفرنس سے غیر حاضری سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ ان ممالک نے سیاست (ایک اسلامی بلاک) یا فوجی وابستگی (اسلامی معاہدہ) کا ذکر نہ کر کے اپنی تجویز کو مزید قابل قبول بنانے کی کوشش کی تھی۔ چھ ماہ میں وزرائے خارجہ کی میٹنگ بلا کر ایک اسلامی سیکرٹیریٹ قائم کرنے کے فیصلے سے اس خواہش کا اظہار ہوتا تھا کہ اسلامی ممالک کی کوئی نہ کوئی تنظیم ہونی چاہئے۔ سیکرٹیریٹ قائم کرنے کا یہی ایک مقصد تھا۔

رباط اعلانیہ کے ذریعے سربراہ کانفرنس میں شریک ممالک کو "باہمی جھگڑے پر امن طور پر طے کرنے کا" ذمہ دار قرار دے کر درحقیقت سعودی عرب کی تائید کی گئی تھی جس کا شروع دن سے یہ بنیادی مقصد رہا تھا۔ اس مقصد کو ۱۹۷۲ء میں باقاعدہ اسلامی کانفرنس کے چارٹر میں شامل کر کے مزید تقویت فراہم کر دی گئی۔

رباط اعلانیہ' مشرق وسطیٰ' یروشلم اور فلسطین

رباط اعلانیہ کے دوسرے حصے میں اسلامی ممالک نے مشرق وسطیٰ کے مسئلے کے تین مختلف پہلوؤں پر اپنی پوزیشن واضح کی۔ سب سے پہلے انہوں نے الاقصیٰ مسجد میں آتش زدگی کے بارے میں اپنا موقف بیان کیا تاہم آگ کی ذمہ داری اسرائیل پر ڈالنے سے گریز کیا۔ ایسا اس قرار داد کو مد نظر رکھتے ہوئے کیا گیا جو پاکستان کے پیش کرنے پر ۱۶ ستمبر ۱۹۶۹ء کو سلامتی کونسل نے منظور کی تھی۔ لیکن مقدس مقامات کی تباہی اور بے حرمتی کی دیگر کارروائیوں کو' جن میں "دنیا بھر کے لوگوں کے اس مقدس ترین مقام کی بے حرمتی" شامل تھی' القدس پر اسرائیل کے فوجی قبضے کا شاخسانہ قرار دیا۔ مزید کہا گیا کہ اس شہر پر قبضے سے "مقدس مقامات متواتر خطرے سے دوچار ہیں" اور ان کا احترام ممکن نہیں۔ ان مقامات تک بلا روک ٹوک رسائی کے لئے شہر کی جون ۱۹۶۷ء سے پہلے کی حیثیت جو تیرہ سو سال سے چلی آ رہی ہے' بحال کی جائے۔ "چنانچہ ان ممالک نے اعلان کیا کہ ان کی حکومتیں "فلسطین کے مسئلے کا ایسا کوئی حل منظور نہیں کریں گی جس میں یروشلم کی جون ۱۹۶۷ء سے پہلے کی حیثیت کو نظر انداز کیا گیا ہو"۔

یروشلم کے بارے میں اعلانیہ کے تین اہم نکات تھے۔ پہلے میں یروشلم سے اسرائیل کے انخلاء کا مطالبہ تھا' جس سے ایک طرف مقدس مقامات کا تقدس برقرار رہے گا دوسری طرف ان مقامات تک آزادانہ رسائی حاصل ہو گی۔ آتش زدگی کے واقعہ کا یہ موزوں جواب تھا کہ یروشلم کا جو بھی مستقبل طے ہو اسرائیل کو اس شہر سے نکل جانا چاہئے' اسرائیلی قبضہ مقدس مقامات کی سلامتی' تحفظ اور تقدس کے منافی ہے۔

دوسرا اہم نکتہ یہ تھا کہ اس شہر کی جون ۱۹۶۷ء سے پہلے والی حیثیت بحال کی جائے۔ مگر کون سی حیثیت؟ کیا اس سے مراد اردن کی حاکمیت اور کنٹرول تھا؟ اردن نے اس پر ۱۹۴۸ء میں برطانوی انخلاء کے بعد قبضہ کیا تھا' اور کشیدگی میں کمی واقع ہونے پر ۱۹۴۹ء میں یروشلم کو اپنی بادشاہت میں شامل کر لیا تھا لیکن اسے صرف دو ممالک' برطانیہ اور پاکستان نے تسلیم کیا تھا۔ گویا دیگر تمام مسلمان ممالک کے نزدیک اس کی حیثیت اردن کے ایک مقبوضہ شہر کی تھی۔ اگر یہ بات تھی تو سوال پیدا ہوتا تھا کہ اصل حاکم شہر کون تھا؟ اس کا جواب قرار داد میں موجود تھا یعنی "تیرہ سو سالہ تاریخ کی رو سے جو حیثیت متعین ہوتی ہے"۔

اس کی صرف ایک ہی تشریح ممکن تھی اور ہے۔ وہ یہ کہ مسلمان ممالک کے نزدیک یروشلم پر حکومت کا حق عربوں اور مسلمانوں کو حاصل ہے مگر وہ کسی ایک اسلامی ملک کو یہ حق دینے سے قاصر تھے۔ اسلامی ممالک اس حق کی نمایاں خصوصیات تو بیان کر سکتے تھے لیکن یہ حق کسے حاصل ہے اس کی نشاندہی کرنا ممکن نہ تھا۔

اس مشکل کا پیش آنا قدرتی بات تھی اس لئے کہ لفظ "حاکمیت" Sovereignty جدید سیاسی اصطلاح ہے اور اس کا تعلق لامحالہ جدید قومی ریاست کے تصور سے جڑتا ہے۔ اس نظام کی رو سے کسی شہر کو ایک ملک کی حکومت کے تحت ہونا چاہئے۔ اگر یہ نہیں تو پھر ایک ہی راستہ ہو سکتا تھا۔ کہ اس شہر کو بین الاقوامی حیثیت دے دی جائے یا ویٹی کن کی طرز پر ایک نیا ملک بنایا جائے جو اس شہر پر مشتمل ہو۔

اگر اسلامی ممالک اسلام کی رو سے یروشلم کی حاکمیت کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتے تو شاید زیادہ دقت پیش آتی کیونکہ اس کا ایک ہی جواب ہوتا کہ اصل حاکمیت تو اللہ کی ہے اور اللہ کے نائب کے طور پر پوری مسلمان امت حاکم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یروشلم پر اپنی نیابت کے لئے کسی کو خاص طور پر مقرر نہیں فرمایا ہے۔ قرآن و حدیث میں کہیں یہ درج نہیں کہ یروشلم پر حکومت کرنا مسلمانوں کا دینی فریضہ ہے۔ خواہ نظری طور پر سہی' اگر یہ دلیل پیش کی جاتی کہ یروشلم پر حکمرانی پوری امت کی ہے تو یروشلم سے زیادہ یہ بات سعودی عرب میں مکہ اور مدینہ پر لازم آتی۔ بہرحال یروشلم پر حکمرانی کے لئے اسلام سے مدد حاصل کرنا ممکن نہ تھا۔

یروشلم سے متعلق قرارداد کا تیسرا اہم پہلو یہ تھا کہ اس کی جون ۱۹۶۷ء سے پہلے والی حیثیت بحال کرنے کے علاوہ دیگر تمام حل مسترد کر دیئے گئے تھے۔ اس طرح مسلمان ممالک نے یروشلم پر حاکمیت کے ضمن میں کسی غیر عرب اور غیر اسلامی ملک یا ممالک کے ساتھ شرکت کو خارج از امکان قرار دے دیا تھا۔ یہ مسئلہ ۱۹۱۷ء میں یروشلم کے سلطنت عثمانیہ کے ہاتھوں سے نکل کر اتحادی طاقتوں کے ہاتھوں میں چلے جانے کے بعد سے لیگ آف نیشنز اور اقوام متحدہ کی توجہ کا مرکز چلا آ رہا تھا۔ دونوں جگہ اس شہر پر اثر و رسوخ قائم کرنے کے مسئلے پر مغربی عیسائی حکومتوں کے درمیان رسہ کشی ہوتی رہی تھی۔ برطانیہ' فرانس' یونان' سپین' کیتھولک پوپ وغیرہ سب یروشلم پر کنٹرول میں شرکت کے لئے کوشاں تھے۔ لہٰذا رباط اعلانیہ کی زد اسرائیل کے علاوہ عیسائی دنیا اور مغربی (عیسائی) ممالک پر بھی پڑتی تھی کیونکہ یروشلم پر تسلط قائم کرنے میں اسلام کو نہ عیسائیت کی شرکت گوارا تھی نہ یہودیت کی۔

مسلم ممالک نے اپنے فیصلے میں ۱۹۳۱ء کی اقصیٰ اسلامی کانفرنس کا اختیار کردہ موقف برقرار رکھا' اب ایک نظر اس موقف پر ڈالتے ہیں۔

رباط سربراہ کانفرنس کے موقع پر رومن کیتھولک چرچ کے سربراہ پوپ پال نے مراکو کے شاہ حسن کے نام یہ پیغام بھیجا:

"دنیا میں شاید ہی کسی خطہ زمین پر خدا کی خدائی اتنی قابل رحم ہوگی جتنی اس مبارک سرزمین فلسطین میں ہے' جس کے ساتھ ایسی یادیں اور تقدس وابستہ ہے جو ایک خدا کو ماننے والے تینوں بڑے مذاہب کے لئے اہم ہیں۔

اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ تینوں ان مذاہب کو جو ایک ہی خدا کے ماننے والے ہیں' مقدس مقامات' خصوصاً یروشلم میں واقع مقامات کی حیثیت کے بارے میں ایک متفقہ لائحہ عمل اختیار کرنے پر راضی ہو جانا چاہئے"۔

اس سے قبل فلسطین میں واقع مقدس مقامات کے بارے میں پوپ اکثر یہ اپیل کرتے آئے تھے کہ ان کی دیکھ بھال کا اہتمام بین الاقوامی طور پر ہونا چاہئے لیکن یہاں ان کا پیغام یہ تھا:

"اپنے اپنے عقیدے پر عمل پیرا رہتے ہوئے مذہب کو اتحاد کا ذریعہ بنانا چاہئے تاکہ سیاسی اور فوجی محاذ آرائیوں کی بجائے امن اور آشتی کو فروغ حاصل ہو"۔

پوپ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ یروشلم کے مسئلے کا حل تینوں مذاہب یعنی اسلام' عیسائیت اور یہودیت کے ماننے والوں کو مل کر تلاش کرنا چاہئے۔ یہ حل باہر سے ٹھونسنے کی بجائے مقامی حالات پر منحصر ہو۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ بات تسلیم کی جانی چاہئے کہ اس شہر کے مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کا جتنا حق مسلمانوں کو حاصل ہے اتنا ہی عیسائیوں اور یہودیوں کو بھی حاصل ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے بہت پہلے یروشلم عیسائیوں کا مقدس شہر تھا۔ اور حضرت عیسیٰؑ سے پہلے یہ یہودیوں کا مقدس شہر تھا۔ اس لحاظ سے مسلمان سب سے آخر میں آتے ہیں' تو پھر پوپ نے جو تجویز پیش کی تھی سوال یہ ہے کہ اس میں قابل اعتراض بات کیا تھی؟ قابل اعتراض دو باتیں تھیں: پہلا اعتراض یہ تھا کہ گزشتہ تیرہ سو سال سے یہ شہر مسلمانوں کے کنٹرول میں رہا تھا۔ اتنے طویل عرصے تک ان کے کنٹرول میں رہنے کا مطلب یہ تھا کہ آئندہ بھی انہیں کے کنٹرول میں رہنا چاہئے۔ یہ دلیل تین لحاظ سے کمزور تھی۔ پہلے یہ کہ یہ ایک مقدس مقام تھا کوئی عام علاقہ نہیں' لہٰذا مسلمانوں کی تیرہ سو سالہ حکمرانی کے بعد بھی یہ عیسائیوں اور یہودیوں کے لئے اسی طرح مقدس تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ مسلمانوں نے اسے عیسائیوں سے فتح کر کے حاصل کیا تھا لہٰذا مسلمانوں نے فوجی طاقت کے ذریعے اس پر اپنا تسلط قائم کیا تھا۔ اس کے بعد عیسائیوں نے اسے واپس لے لیا اور صلیبی دور میں ۷۰ سال ان کے پاس رہا۔ مسلمانوں نے دوبارہ اسے فتح کیا۔ چنانچہ ایسا کبھی بھی نہیں ہوا تھا کہ مسلمانوں نے عیسائیوں اور یہودیوں سے صلح صفائی سے یروشلم کا کنٹرول حاصل کیا ہو۔ تیسری بات یہ تھی کہ اسلام کی رو سے دارالاسلام وہ علاقہ ہوتا ہے جس پر مسلمانوں کا تسلط ہو۔ اگر دارالاسلام کا کچھ حصہ کسی وقت مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائے تو ان کی یہ دینی ذمہ داری ہے کہ وہ علاقہ دشمن سے واپس لینے کی جدوجہد کریں لیکن اگر ان میں اتنی طاقت نہ ہو تو اسلام میں ایسی کوئی شق موجود نہیں ہے جو ایسے علاقے کے بارے میں انہیں مصالحانہ رویہ اختیار کرنے سے روکتی ہو۔

پوپ نے جو تجویز پیش کی تھی اس پر دوسرا اعتراض یہ تھا کہ یہودیت اور عیسائیت اصلاً اسلام ہی تھیں مگر انہوں نے اس سے انحراف کر لیا۔ اب حقیقی اسلام وہ ہے جس کو مسلمان مانتے ہیں۔ عیسائیوں اور یہودیوں نے اسلام سے انحراف کر کے یروشلم پر تسلط کا حق کھو دیا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کی اطاعت قبول کرنے اور جزیہ ادا کرنے کے علاوہ باقی ایک ہی حل رہ جاتا ہے کہ یہودی اور عیسائی اسلام قبول کر کے نبی ﷺ کی امت میں شامل ہو جائیں۔

راقم پہلے ہی اس بارے میں عرض کر چکا ہے کہ قرآن کی رو سے تو عیسائیوں اور یہودیوں میں بھی وہ لوگ ہیں جو مومن شمار ہوتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اسلام کی رو سے یہ کہیں لازم نہیں ٹھہرایا گیا کہ یروشلم سے یہودیوں اور عیسائیوں کو ہٹا کر مسلمانوں کی حکومت قائم کی جائے۔ نبی کریمؐ کے حکم کے مطابق جزیرہ نمائے عرب کو عیسائیوں' یہودیوں اور تمام غیر مسلموں کے تسلط اور اثر و رسوخ سے پاک رکھنا لازم ہے۔ مزید برآں مکہ اور مدینہ کے حرم کے علاقہ میں کوئی غیر مسلم داخل نہیں ہو سکتا' لیکن یروشلم کے حرم کے علاقے کے بارے میں ایسا کوئی حکم نہیں۔

اسلام کے گہرے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مسلمانوں کے اس بارے میں ہاتھ بالکل کھلے تھے کہ یروشلم کو ایک اللہ کے ماننے والوں کا شہر قرار دیئے جانے پر مذاکرات ہو سکتے تھے۔ پوپ نے اپنے پیغام میں اس جانب اشارہ بھی کیا تھا مگر رباط کانفرنس میں اس جانب کوئی توجہ نہ دی گئی۔ اگر ایسا ہو جاتا تو عالمی یہودیوں کے درمیان خود بخود پھوٹ پڑ جاتی کیونکہ یہودیوں کے بعض طبقے یروشلم کے بارے میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے ساتھ شرکت کے خلاف تھے جبکہ ان کا اصل مذہبی طبقہ اس کا خیر مقدم کرتا۔

مشرق وسطیٰ

صف اول کی عرب حکومتیں سربراہ کانفرنس میں مشرق وسطیٰ کے مسئلے کو بحیثیت مجموعی زیر بحث لانے

میں کامیاب ہو گئیں۔ دوسرے یا تیسرے روز کے صبح کے اجلاس میں ایجنڈے کو بڑھا کر "تمام مقبوضہ عرب علاقوں سے اسرائیلی فوجوں کے انخلاء" کے موضوع پر بحث کو شامل کر لیا گیا۔ جس کے نتیجے میں کانفرنس کے سامنے دو ہی راستے کھلے تھے یا تو عمومی طور پر ایک کمزور پوزیشن اختیار کرتے ہوئے تمام شریک ممالک کے اتفاق رائے کا اظہار کرے یا مخصوص طور پر مضبوط پوزیشن اختیار کرے جس پر بعض ممالک کی طرف سے مخالفت ہوتی۔ اس صورت میں مثال کے طور پر تمام شریک ممالک سے مطالبہ کیا جاتا کہ وہ اسرائیل کو تسلیم نہ کریں اور اس کے ساتھ سفارتی اور تجارتی تعلقات قائم کرنے سے گریز کریں۔

کانفرنس نے ان ممالک کے ڈر سے جن کے اسرائیل کے ساتھ سیاسی اور تجارتی تعلقات قائم تھے اپنے آپ کو اقوام متحدہ کی قرار دادوں پر عمل در آمد کرانے کے مطالبے تک محدود رکھا۔ کانفرنس نے بڑی طاقتوں سے خاص طور پر اپیل کی کہ وہ "۱۹۶۷ء کی جنگ میں عرب علاقوں پر قابض ہونے والی اسرائیلی فوجوں کی جلد واپسی کی اپنی کوششیں تیز تر کریں۔

صف اول کی عرب ریاستیں اور ان کے حمایتی نسبتاً ایک سخت موقف اختیار کئے جانے کی توقع رکھتے تھے۔ چنانچہ شمالی اور جنوبی یمن دونوں نے بطور احتجاج مارچ ۱۹۷۰ء کی مجوزہ وزرائے خارجہ کی اسلامی کانفرنس کے حق میں ووٹ دینے سے گریز کیا اور شمالی یمن کے صدر عبدالرحمٰن اریانی نے اعلانیہ پر کھلے عام اپنی مایوسی کا اظہار کر دیا۔

> "یمن اس لئے رباط سربراہ کانفرنس میں شریک ہوا تھا کہ اس سے عربوں کے حقوق اور فلسطین کی جدوجہد میں مدد ملے گی لیکن مجھے یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ اقوام متحدہ کی تھکی پٹی قرار دادوں کے تذکرے کے سوا یہاں کچھ بھی نہیں کیا گیا۔ رباط کانفرنس کی قرار دادوں سے میرے ملک کو اسلامی دنیا کے حوالے سے کسی قسم کی کوئی تحریک نہیں ملی"۔

مشرق وسطیٰ کے بارے میں کانفرنس کی قرار داد کے دفاع میں بعض ممالک نے یہ دلیل پیش کی کہ ابھی اس پر مزید مفاہمت ہونی چاہئے کہ مشرق وسطیٰ کے مسئلے پر عربوں کی توقعات پر بھی پورا اترا جا سکے اور ایران اور ترکی جیسے ممالک کے اعتراضات کو نظر انداز کر کے اسلامی اتحاد کا نازک کام بھی پس پشت نہ ڈالا جائے۔ لہٰذا کانفرنس میں جس قدر مفاہمت حاصل ہو سکی ہے اگر وہ بھی نہ ہوتی تو اسلامی اتحاد کا معاملہ یہیں ٹھپ ہو جاتا۔ چنانچہ اس وقت سب سے اہم مسئلہ اسلامی اتحاد کو آگے بڑھانے کا ہے۔

فلسطین

اعلانیہ کا ایک پیرا فلسطینیوں کے لئے مخصوص تھا۔ "فلسطین کا المیہ اس بات کا متقاضی ہے کہ فلسطینی عوام کے غصب شدہ حقوق کی بحالی اور قومی آزادی کی جدوجہد میں ان کی بھرپور مدد کی جائے"۔

پی ۔ ایل ۔ او کا جسے بطور مبصر کانفرنس میں شرکت کی اجازت دی گئی تھی سرے سے کوئی تذکرہ نہیں تھا۔ اس قسم کی زبان استعمال کرنے سے مکمل اعراض برتا گیا جس سے کسی طرح پی ۔ ایل ۔ او کی حمایت کا پہلو نمایاں ہوتا ہو اور اس کی مالی امداد اور اس کے ساتھ تعاون کی ترغیب ملتی ہو۔

فلسطینیوں کے "غصب شدہ حقوق" اور "قومی آزادی کی تحریک" کا بھی سرسری طور پر ذکر کیا گیا تھا۔ یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا گیا تھا کہ اسرائیلی ریاست کا قیام فلسطینیوں کے حقوق کی بحالی اور قومی آزادی کی راہ میں اصل رکاوٹ ہے۔ جو عبارت اعلانیہ میں شامل تھی اس سے پی ۔ ایل ۔ او اور ممبر ممالک اپنی مرضی کا مطلب نکالنے میں آزاد تھے۔

یہ بات خاص طور سے نوٹ کرنے کی ہے کہ مسلمان ممالک نے ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد سے کہیں بھی اس کے قیام کے حق کا انکار نہیں کیا تھا۔ فلسطینیوں کی قومی آزادی کی تحریک کی حمایت کرنے سے خود بخود اسرائیلی ریاست کے قیام کی نفی نہیں ہوتی۔ اس لحاظ سے یہ اعلانیہ اور زیادہ اہمیت کا حامل تھا کہ اصل بات کہنے سے گریز کیا گیا تھا۔ یہ بات بھی خاص طور پر دلچسپی کا باعث ہو گی کہ اسلام کے ایک امت کے تصور کی جانب کوئی ہلکا پھلکا سا اشارہ بھی نہیں کیا گیا تھا جس سے کہ اسرائیل سے متعلق موقف اختیار کرنے میں کوئی راہنمائی ملنے کا امکان ہوتا کیونکہ اس صورت مین فلسطین کو دار الحرب قرار دیئے بغیر چارہ نہ ہوتا۔ (جاری ہے)

KHALID TRADERS
IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE
AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

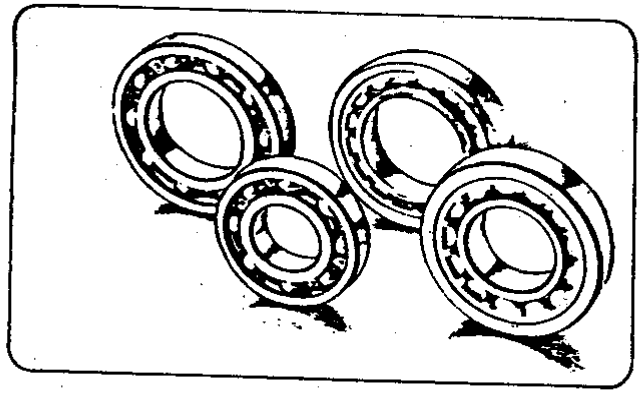

PLEASE CONTACT
TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 84 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

اسرائیلی وزیراعظم اپنی انتہاپسندانہ پالیسی سے ایک انچ پیچھے نہیں ہٹے

عرب سربراہوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کا موقعہ اسرائیلی وزیراعظم نے فراہم کیا!

شمس العارفین

مشرق وسطیٰ کا خطہ اپنی اسٹریٹجک اہمیت کی بدولت طویل عرصے سے عالمی طاقتوں کی باہمی آویزش کا مرکز چلا آرہا ہے۔ ہمارے لئے اس خطے کی اہمیت دو اعتبار سے بہت زیادہ ہے۔ اولاً یہ کہ یہاں بیت المقدس واقع ہے جس پر یہود نے زبردستی قبضہ جما رکھا ہے۔ ثانیاً کئی احادیث مبارکہ میں عالم اسلام کے مستقبل کے حوالے سے بہت سی پیش گوئیوں کا تعلق اس سرزمین سے ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے یہ فرامین ہمیں اس خطے میں ہونے والی تبدیلیوں کے بارے میں سوچنے اور لکھنے پر مجبور کرتے ہیں۔ حالیہ اسرائیلی انتخابات میں انتہا پسند لیکوڈ پارٹی کی کامیابی کے بعد اس خطے میں تیزی سے نئے حالات پیدا ہو رہے ہیں۔ گزشتہ چند ہفتوں میں دو اہم واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ آگے چل کر ان واقعات کے اس خطے اور پھر عالمی سطح پر کافی اثرات مرتب ہونے کی توقع ہے۔ پہلا واقعہ تو عرب ممالک کا دو روزہ سیمینار ہے جبکہ دوسرا اسرائیلی وزیراعظم بن یامین نتن یاھو کا پہلا امریکی دورہ ہے۔ ان میں سے ہر ایک واقعہ اپنی اہمیت کی بدولت ہماری توجہ کا طالب ہے۔ ہم ترتیب وار پہلے عرب سیمینار اور پھر اسرائیلی وزیراعظم کے امریکی دورے کے بارے میں اپنی معروضات پیش کریں گے۔

بائیس جون ۹۶ء کا دن عرب دنیا کے لئے تاریخی اہمیت کا حامل سمجھا جائے گا۔ اس لئے کہ اس دن ۲۱ عرب ممالک مصر کے دارالسلطنت قاہرہ میں اسرائیلی وزیراعظم کی پالیسیوں سے پیدا ہونے والے خدشات کے بالمقابل مشترکہ لائحہ عمل اختیار کرنے کے لئے جمع ہوئے۔ عراق کے کویت پر حملے کے بعد لگ بھگ چھ سال میں یہ پہلا موقع تھا کہ عرب ممالک اتنی بڑی تعداد میں، تمام تر باہمی اختلافات کے باوجود، کسی خالص عرب پلیٹ فارم پر یکجا تھے۔ اس اعتبار سے یہ ایک بڑی کامیابی تھی جو عرب ممالک کو سیاسی محاذ پر حاصل ہوئی۔ اگرچہ مشرق وسطیٰ کے عرب ممالک کو ایک پلیٹ فارم پر یکجا کرنے کے لئے شام نے خاص سرگرمی کا مظاہرہ کیا لیکن اس سیمینار کو منعقد کرنے کا اصل سہرا مصر کے صدر حسنی مبارک کے سر ہے۔ جنہوں نے اولاً اردن اور فلسطین کے سربراہوں سے جون کے اوائل میں عقبہ کے مقام پر ملاقات کی، ثانیاً انہوں نے شام کا دورہ کیا اور حافظ الاسد سے اس موضوع پر تبادلہ خیال کیا۔ بعد ازاں دونوں ممالک نے اپنے اپنے وزراء خارجہ کو سعودی عرب سے تعاون کے حصول کے لئے ریاض روانہ کیا۔ ثالثاً حسنی مبارک اور حافظ الاسد نے سعودی ولی عہد شہزادہ عبداللہ سے میٹنگ کی تاکہ تمام عرب ممالک کو مشترکہ پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا جا سکے۔ ان تمام کوششوں کا ثمر بائیس اور تئیس جون کو ہونے والا دو روزہ عرب سیمینار تھا۔ جس میں عراق کے علاوہ مشرق وسطیٰ کے تمام عرب ممالک مدعو تھے۔ اسرائیل کے خلاف مشترکہ لائحہ عمل اختیار کرنے کے لئے عرب ممالک نے نہ صرف اپنے بہت سے اختلافات کو پس پشت ڈالا بلکہ عرب سربراہوں کو اس سیمینار کی بدولت بالمشافہ علیحدہ ملاقاتوں کا موقعہ بھی میسر آگیا۔ جس سے نئی یا پرانی رنجشوں کو کم کرنے کا موقع ملا، یا کم از کم باہمی بات چیت کی راہ ہموار ہوئی۔ اس سلسلے میں بھی مصر نے اہم کردار ادا کیا۔ سب سے پہلے تو مصر کے صدر حسنی مبارک نے سوڈان کے سربراہ جناب محمد البشیر سے ملاقات کی، حالانکہ حسنی مبارک گزشتہ مہینوں میں اپنے اوپر ہونے والے قاتلانہ حملہ کا الزام سوڈان پر لگاتے رہے تھے۔ اسی طرح صدر حسنی مبارک نے شام-اردن اور شام-فلسطین ملاقاتوں کے لئے مواقع فراہم کئے۔ اس سیمینار میں عرب ممالک بالآخر ایک مشترکہ لائحہ عمل اختیار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سلسلے میں انہیں اسرائیل کے وزیراعظم بن یامین نتن یاھو کا شکرگزار ہونا چاہئے کہ ان کی انتہا پسندانہ حکمت عملی نے مسلم عرب ممالک کو اپنے تمام اختلافات بھلا کر مشترکہ محاذ تشکیل دینے کا سنہری اور تاریخی موقع فراہم کیا۔

اگرچہ یہودی لابی کے زیر اثر مغربی پریس نے عرب ممالک کی اس کامیابی کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی لیکن انہیں اس سلسلے میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ مغربی پریس نے شام کے صدر حافظ الاسد کی سیمینار منعقد کرانے کی کوششوں کو خصوصی طور پر نشانہ بنایا اور انہیں مفاد پرستانہ رنگ دینے کی کوشش کی۔ مغربی پریس نے یہ تاثر دینا چاہا کہ حافظ الاسد اس سیمینار کے ذریعے امریکہ سے اپنے بگڑے ہوئے تعلقات اور بین الاقوامی سطح پر گرتی ہوئی ساکھ بچانے کی تگ و دو میں ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ عرب ممالک کی مدد سے اپنی سیاسی اور عسکری حیثیت امریکہ اور اسرائیل کے مقابلے میں مضبوط کر سکیں۔ یہودی لابی کی تمام چالوں کے باوجود نظر یہ آرہا ہے کہ یہ ممالک اب ایک دوسرے کے کافی قریب آگئے ہیں علاقائی حقائق نے انہیں ایک دوسرے سے سمجھوتہ کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ انہیں اس بات کا احساس ہو گیا ہے کہ وہ علیحدہ رہ کر اسرائیل کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اگر انہیں اپنے آپ کو بین الاقوامی دنیا میں باعزت طور پر برقرار رکھنا ہے تو مشترکہ لائحہ عمل اختیار کرنا پڑے گا۔ اس سیمینار کے بعد مشترکہ اعلامیہ بھی جاری کیا گیا جس کے چند اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ یہ سیمینار اقوام متحدہ کی قراردادوں اور "خطہ زمین بعوض امن" (Land for peace) کی بنیاد پر عرب اسرائیل امن بات چیت کے بلا تاخیر دوبارہ آغاز کا مطالبہ کرتا ہے۔ اسرائیل گولان کی پہاڑیوں، جنوبی لبنان اور مقبوضہ فلسطین بشمول مشرقی یروشلم خالی کر دے۔ مزید برآں اسرائیلی حکومت آزاد فلسطینی ریاست جس کا دارالحکومت یروشلم ہو، کے قیام کی اجازت دے۔ علاوہ ازیں اسرائیل مقبوضہ علاقوں سے یہودی بستیوں کا خاتمہ کرے اور مزید یہودیوں کو خصوصاً القدس میں آباد کرنے سے باز رہے۔

۲۔ یہ سیمینار دہشت گردی کی تمام صورتوں کی

مذمت اور اس کا نشانہ بننے والے ممالک کی حمایت کا اعلان کرتا ہے۔ تاہم یہ قبضے اور جارحیت کے خلاف مزاحمت کے حق کو تسلیم کرتا ہے۔

۳ - یہ سیمینار اسرائیل سے نیوکلیئر توانائی کے عدم پھیلاؤ کے معاہدے (NPT) پر دستخط کرنے اور اپنی ایٹمی تنصیبات کو بین الاقوامی ایجنسی برائے ایٹمی توانائی (IAEA) کے معائنے کے لئے کھول دینے کا مطالبہ کرتا ہے۔

۴ - سیمینار میں عرب دنیا کے استحکام کے لئے عزم کا اظہار کیا گیا۔ اس استحکام کی بنیاد عرب ممالک کی آزادی' حاکمیت' علاقائی ہم آہنگی اور اندرونی معاملات میں عدم مداخلت کے اصولوں کے احترام پر ہے۔

مشرق اسرائیل کا ردعمل متوقع طور پر انتہا پسندانہ تھا۔ جس سے مشرق وسطیٰ کی سیاسی فضا کی آلودگی میں اضافہ ہو گیا۔ اسرائیلی وزیر اعظم نے عرب سیمینار کے مطالبات کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ وہ "عرب ممالک سے ڈکٹیشن لینے سے انکار کرتے ہیں جو کہ امن کے عمل کو اپنا اسیر (hostage) بنانے کی کوشش کر رہے ہیں"۔ سیمینار سے ایک دن پہلے اسرائیل کے نئے وزیر خارجہ ڈیوڈ لیوی نے مصر کے اسرائیل میں متعین سفیر محمد بسی یونی سے ملاقات کی اور کہا کہ "عرب ریاستوں کے پاس پریشان ہونے کی کوئی دلیل نہیں' کیونکہ اس (اسرائیل) حکومت کا نصب العین امن کا حصول ہے"۔ انہوں نے مزید کہا کہ "امن دھمکیوں سے حاصل نہیں کیا جا سکتا" اس سیمینار کے ذریعے سے عرب ممالک نے اتحاد کا مظاہرہ کر کے اسرائیل کو متنبہ کر دیا۔ لیکن ابھی تک عرب ممالک کی پوزیشن بہت زیادہ مضبوط نظر نہیں آتی کیونکہ یہ ممالک لیبر پارٹی کے دور میں جاری امن کے غیر منصفانہ عمل پر مصر ہیں اور امریکہ سے اسرائیل پر دباؤ ڈالنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اس کے علی الرغم اسرائیلی وزیر اعظم اپنی انتہا پسندانہ حکمت عملی پر گامزن ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ عرب ممالک کشکول اٹھائے اسرائیل کے در پر کھڑے کسی امن کے ٹکڑے کے منتظر ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ ممالک کسی طرح بھی امریکی حصار سے باہر نکلنے کے لئے تیار نہیں۔ اس سیمینار کے بعد امریکہ پر ان کا انحصار بڑھا ہے' کم نہیں ہوا۔ امریکہ سے مفاہمت بلکہ صحیح تر الفاظ میں امریکی سرپرستی ان ممالک کے سربراہوں کی مجبوری بنی ہوئی ہے۔ ان ممالک کے سربراہ بگڑتے ہوئے اندرونی حالات اور بنیاد پرست مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اثرات سے خائف ہو کر اپنے اقتدار کے بچاؤ کے لئے امریکہ کا سہارا لینے پر مجبور ہیں۔ بہر نوع یہ سیمینار عرب ممالک کے لئے امید کی ایک کرن ہیں۔ اس کی روشنی عرب ممالک کے مفادات کو کہاں تک منور کرتی ہے۔ پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ۔

اسرائیلی وزیر اعظم کا دورۂ امریکہ

اسرائیل کے وزیر اعظم بن یامین نتن یاھو وزارت عظمیٰ کا قلمدان سنبھالنے کے بعد پہلی بار ۸ جولائی کو نصف شب کے قریب امریکہ کے پانچ روزہ دورے پر واشنگٹن پہنچے۔ ان کے اس دورے میں دوسری مصروفیات کے علاوہ صدر کلنٹن سے ملاقات اور امریکی کانگریس کے اجلاس سے خطاب بھی شامل تھا۔ ماہرین اور تجزیہ نگار مشرق وسطیٰ کی صورت حال کے تناظر میں اس دورے کو خاص اہمیت دے رہے تھے۔ اسرائیلی وزیر اعظم کے دورے سے پہلے امریکی سیکریٹری خارجہ امور وارن کرسٹوفر نے اسرائیل کا دورہ کیا اور وزیر اعظم بن یامین نتن یاھو سے ملاقات کی' تاکہ مشرق وسطیٰ امن معاہدہ کی پاسداری اور اس پر عملدرآمد کے سلسلے میں اسرائیلی حکومت سے یقین دھانی حاصل کی جا سکے۔ مگر نتن یاھو کے کسی قسم کی واضح گارنٹی دینے سے اعراض کیا اور محض عرب ممالک بشمول فلسطین سے امن بات چیت جاری رکھنے کے عزم کا اظہار کیا۔ اگلے ہی دن امریکی سیکریٹری خارجہ امور وارن کرسٹوفر نے مصر کے صدر حسنی مبارک اور یاسر عرفات سے ملاقات کی۔ ان دونوں حضرات نے امریکہ سے اسرائیل پر امن معاہدے پر عملدرآمد اور خطہ زمین بعوض امن کے اصول کی پاسداری کے لئے دباؤ ڈالنے کا مطالبہ کیا۔

امریکی میڈیا نے جو اسرائیلی سربراہوں کے دوروں کو کافی پراجیکشن دیتا ہے' وزیر اعظم نتن یاھو کو اس لئے بھی اہمیت دی کہ انہوں نے امریکہ سے تعلیم حاصل کی ہے اور ان کا انگریزی لہجہ بالکل امریکیوں جیسا ہے۔ مزید برآں وہ ایک اچھے مقرر کی شہرت بھی رکھتے ہیں۔ انہوں نے صدر کلنٹن سے وائٹ ہاؤس میں ۹ جولائی کو ملاقات کی۔ اس ملاقات کے دوران وہ اپنی انتہا پسندانہ پالیسی سے ایک انچ پیچھے نہیں ہٹے۔ ملاقات کے بعد نیوز کانفرنس میں بھی انہوں نے اپنے امن مع تحفظ (Peace with scurity) کے اصول پر زور دیا۔ امریکی صدر نے جن کو پانچ نومبر کو ہونے والے صدارتی انتخابات میں کامیابی کے لئے نہ صرف یہودی ووٹوں کی ضرورت ہے بلکہ یہودی میڈیا کی مدد بھی درکار ہے' نرم لہجہ اختیار کیا اور اس امید کا اظہار کیا کہ امن کا عمل آگے بڑھے گا۔ انہوں نے کہا کہ "مجھے یقین ہے کہ تاریخ کے دھارے کو پیچھے نہیں پھیرا جا سکتا"۔ بہرصورت وہ اسرائیلی وزیر اعظم کے رویئے میں کسی بھی قسم کی لچک پیدا کرنے میں ناکام رہے۔ (ڈان ۱۰ جولائی) اسرائیلی وزیر اعظم نے دس جولائی کو امریکی کانگریس کے اجلاس سے خطاب کیا۔ تیس منٹ کی تقریر میں انہوں نے اپنے سابقہ موقف کو دہرایا۔ مزید برآں ایران اور عراق کے کردار پر سخت تنقید کی۔ یروشلم کے بارے میں انہوں نے اپنے موقف کو دہرایا کہ اس شہر کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ یاد رہے کہ فلسطینیوں کا مطالبہ یہ ہے کہ فلسطینی ریاست کا دارالحکومت یروشلم ہونا چاہئے۔ اگرچہ یہ دونوں اقوام (مسلمان' یہود) کا شہر ہی ہو۔ (دی نیوز ۱۱ جولائی) اسرائیلی وزیر اعظم امریکی دورے کے دوران اسرائیل کے جمہوری ریاست ہونے اور اس کے بالمقابل عرب ممالک میں آمریت کی موجودگی کو اجاگر کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ چنانچہ انہوں نے عرب ممالک کے آمرانہ طرز عمل پر تنقید کی۔ بعض مغربی تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ نتن یاھو نے امریکی دورے کے دوران یہ تاثر دینا چاہا کہ وہ امن کے خواہش مند ہیں اور عرب ممالک امن بات چیت کے دوران توقعات سے بڑھ کر ان کے رویئے میں لچک محسوس کریں گے۔ (ڈان ۱۲ جولائی) لیکن حقیقت یہ ہے کہ کم از کم عرب دنیا ان کے اس مخفی پیغام کو سمجھنے سے قاصر رہی۔ عرب ممالک نے اسرائیلی وزیر اعظم پر شدید تنقید کی اور مشرق وسطیٰ میں امن کے لئے ان کے موقف کو تباہ کن قرار دیا۔ ایک فلسطینی وزیر نے تو یہاں تک کہا کہ مسٹر نتن یاھو انگریزی میں امن کی بات کر رہے ہیں اور عبرانی میں امن کو تباہ کرنے کی ہدایات دے رہے ہیں (ڈان ۱۲ جولائی)۔ اصل اشارہ نتن یاھو کی دوغلی پالیسی کی طرف تھا۔ عرب ممالک کے ردعمل کے جواب میں وزیر اعظم نتن یاھو کا طرز عمل بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ انہوں نے واشنگٹن میں ایک اخباری نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ "ہم عرب دنیا کی طرف سے حالیہ دنوں میں دی جانے والی دھمکیوں سے متاثر نہیں ہوئے۔ اور نہ

ہی ہم ان کے بارے میں پریشان ہیں"۔

مشرق وسطیٰ کی صورت حال کافی الجھ گئی ہے۔ عرب ممالک نے متحد ہو کر ایک واضح لائحہ عمل اختیار کیا ہے۔ لیکن ابھی تک وہ امریکہ اور اسرائیل پر موثر دباؤ ڈالنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ اس سلسلے میں امریکی طرز عمل بھی روایتی طور پر مفاد پرستانہ ہے۔ امریکی صدر محض نومبر میں ہونے والے انتخابات میں یہودی لابی کی حمایت کے حصول کے لئے اسرائیل پر مطلوبہ دباؤ نہیں ڈال رہے۔ حالانکہ نتن یاھو واضح طور پر ایک بین الاقوامی معاہدے کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ معاہدہ امریکہ ہی کی زیر سرپرستی تھا۔ اگر کوئی اور ملک ایسی جرات کا مظاہرہ کرتا تو اسے قرار واقعی سزا دینے کے لئے کئی اقدامات کئے جا چکے ہوئے۔ لیکن اسرائیل کے معاملے میں ابھی تک انتہائی نرم رویہ اختیار کیا گیا ہے۔ نتن یاھو امریکی صدر کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جوں جوں انتخابات کا وقت قریب آئے گا اسرائیلی حکومت کا دباؤ بھی امریکہ پر بڑھتا جائے گا۔ محسوس ایسا ہوتا ہے کہ وزیر اعظم نتن یاھو مشرق وسطیٰ کے بارے میں امریکی پالیسی میں کسی تبدیلی کے بارے میں پرامید ہیں۔ اس طرف وارن کرسٹوفر نے اشارہ بھی کیا تھا جس پر بش دور کے امریکی سیکرٹری خارجہ امور جیمز بیکر نے گرفت کی۔ لیکن صدر کلنٹن شاید عرب دنیا کے احتجاج اور ردعمل کے پیش نظر خاموش ہیں۔ یا پھر مناسب وقت کے منتظر ہیں۔ رواں ماہ جولائی کے اواخر میں مصر کے صدر حسنی مبارک اور وزیر خارجہ عمرو موسیٰ امریکہ کا دورہ کرنے والے ہیں۔ شاید وہ امریکی صدر کے اسرائیل کے بارے میں رویئے میں سختی پیدا کرنے کا سبب بن جائیں لیکن ۵ نومبر تک اس کی زیادہ امید نظر نہیں آتی۔

بقیہ : حدیث امروز

مہنگائی کا عذاب اپنی آخری حدوں کو چھونے لگا ہے۔ اگر بروقت تدارک نہ ہوا تو خدا جانے مزید بگاڑ کیا نقشہ پیش کرے گا۔ اس مسئلے کا حل یہی نہیں کہ حزب اختلاف ۱۹۹۳ء اور ۱۹۹۶ء میں روز مرہ کی اشیاء ضرورت کی قیمتوں کا موازنہ کرتے ہوئے حکومت کو مورد الزام ٹھہرائے یا جواباً حزب اقتدار ۱۹۹۰ء اور ۱۹۹۳ء کی قیمتوں کا موازنہ کرتے ہوئے حزب اختلاف کا منہ چڑائے بلکہ دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ سیاسی قبیل کے اکابرین اس معمے پر ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ ان پچاس برسوں کے دوران آٹا ۱۰ روپے من سے ۲۵۰ روپے من تک کیسے پہنچا اور دال چار آنے سیر سے ۳۲ روپے کلو تک کیسے پہنچی؟ لیکن غریب کی آمدنی اسی تناسب سے کیوں نہ بڑھ سکی؟ سیاست کا کھیل کھیلئے، خوب کھیلئے مگر ملک کی بہتری کے لئے۔ یاد رہے کہ ملک نام ہے غریب کا۔ اور امیر محتاج ہے غریب کی الفت کا۔ جس روز یہ رشتہ ٹوٹ گیا نہ بانس رہے گا نہ بنسری۔OO

ماہ صیام میں تراویح کے ساتھ ترجمہ القرآن کے پروگراموں کے فروغ کے لئے

مدرسین کی تربیت کا نادر موقع

انجمن خدام القرآن ملتان اور حلقہ جنوبی پنجاب تنظیم اسلامی کے تعاون سے

ترجمہ القرآن تربیتی ورکشاپ

۵/ اگست تا ۱۵/ اگست ۹۶ء، بمقام قرآن اکیڈمی، ۲۵ آفیسرز کالونی ملتان

☆ یہ پروگرام کل وقتی اقامتی پروگرام ہوگا اور قیام و طعام کے اخراجات انجمن برداشت کرے گی

☆ ترجمہ القرآن کی نسبت سے سیر حاصل پروگرام اور توسیعی لیکچرز ہوں گے۔

☆ عربی زبان سے مناسب واقفیت اور قرآن مجید کا ایک مرتبہ باترجمہ مطالعہ شرکت کے لئے لازمی شرط ہے۔

☆ دلچسپی کے ساتھ شریک ہونے والے حضرات کو سند دی جائے گی۔

☆ گنجائش محدود ہے۔ ۴/ اگست ۹۶ء تک تحریری یا بذریعہ فون (۵۲۰۴۵۱ اور ۵۲۱۰۷۰) اطلاع ضروری ہے۔ پروگرام ان شاء اللہ ۵/ اگست کو صبح ۸ بجے شروع ہوگا۔

المعلن : مختار حسین فاروقی ناظم تعلیمات انجمن و ناظم حلقہ پنجاب جنوبی

بقیہ : خطبات خلافت

جیسا کہ واضح کیا گیا، رسول آچکا اور انہوں نے اس کو رد بھی کر دیا۔ لیکن ایک خاص سبب سے اس قوم پر اس طرح کے عذاب کی نہ اس وقت تنفیذ ہوئی نہ اب تک ہوئی۔ بات یہ ہے کہ قرآن حکیم نے نبی ﷺ کی بعثت کی شکل میں ان کے لئے ایک رحم کی اپیل (Mercy Appeal) کا موقع پیدا کیا۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوا ہے :

﴿ عسی ربکم ان یرحمکم، وان عدتم عدنا، وجعلنا جھنم للکافرین حصیرا○ ان ھذا القران یھدی للتی ھی اقوم ویبشر المومنین الذین یعملون الصلحات ان لھم اجرا کبیرا

یعنی "اب بھی دامن محمدی میں پناہ لے لو، قرآن پر ایمان لے آؤ، جو ہر معاملے میں سیدھا راستہ دکھانے والی کتاب ہے، ہم اب بھی تم پر رحم فرمانے کے لئے تیار ہیں"۔ افسوس! یہود نے اس Mercy Appeal کا موقع بھی گنوا دیا۔ لیکن اس کے باوجود "العذاب الاکبر" کی Execution نہیں ہوئی۔ کیوں نہیں ہوئی؟ یہ اس داستان کا تلخ حصہ ہے۔ اس لئے کہ پہلے موجودہ مسلمان امت کے افضل حصہ (عالم عرب) کی پٹائی اس مغضوب اور ملعون قوم کے ہاتھوں کروانی ہے۔

کاش بغداد کو چند مہینے اور قلعہ بند رکھا جا سکتا

چنگیز اور ہلاکو نے بدعہدی اور فریب کی مثال قائم کر دی

مسلمان خواب میں بھی نہیں سوچ سکتے تھے کہ کوئی خلافت اسلامیہ ہی کو تباہ کرنے کی ہمت کر سکتا تھا

اسرار عالم کی معرکتہ الاراء کتاب "عالم اسلام کی اخلاقی صورتحال" (دانش بک ڈسٹری بیوٹرز' نئی دہلی) سے چند اقتباسات

بارہویں صدی عالم اسلامی میں یہودیوں کے اضطراب شدید کی گھڑی ہے۔ اس کا اندازہ ان کے وفود کی بلاد اسلامیہ کی یہودی آبادیوں میں تواتر سے گشت لگانے اور ان تصنیفات سے ہو جاتا ہے جو اس وقت لکھی گئیں۔ وہ عالم اسلامی سے ایک زبردست بلکہ آخری تصادم کی تیاریاں کر رہے تھے۔ یہ تصادم ان کی حد تک ایک عظیم سازش تھی' جو وہ عالم اسلام کے خلاف کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ - - - - -

دارالخلافہ بغداد میں سارے عالم کے یہودیوں کا دینی اور روحانی سردار روش حاغولہ یا روش غالوتہ رہتا تھا۔ ان کا سیاسی اور انتظامی سردار "سرحسارم" قاہرہ میں رہتا تھا۔ بنیامن کے اندازے کے مطابق دار الخلافہ کے قریب تین لاکھ کے قریب یہودی رہتے تھے اور بیس سال بعد ربی پیتاچیہ نے صرف کوفہ' بصرہ اور بغداد (بشمول نواح) میں ان کی تعداد چھ لاکھ بتائی ہے۔ دمشق میں بنیامن کے مطابق تین ہزار اور پیتاچیہ کے مطابق دس ہزار' اور حلب میں پانچ ہزار یہودی تھے۔ دجلہ کے کنارے کنارے وہ آباد تھے۔ نینوا سے دجلہ تک کا علاقہ یہودیوں سے آباد تھا۔ جزیرہ ابن عمر میں چار ہزار' موصل میں سات ہزار' ہربہ بابل کے سب سے شمالی شہر میں پندرہ ہزار' عقبرہ اور واسط میں دس دس ہزار' پیتاچیہ نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ بغداد میں ان کی تعداد صرف ایک ہزار ہے۔ فرات کے کنارے کنارے یہودی شہروں میں مثلاً حلتہ میں دس ہزار' کوفہ میں سات ہزار' بصرہ میں دو ہزار یہودی تھے۔ سرہ اور نہرمالک تو پورا کا پورا یہودیوں سے آباد تھے۔

مشرق کی جانب یہودیوں کی آبادیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ ہمدان میں تیس ہزار' اصفہان میں پندرہ ہزار' شیراز میں دس ہزار' غزنی میں اسی ہزار' سمرقند میں تیس ہزار یہودی آباد تھے۔ المقدسی نے بنیامن و پیتاچیہ کے ان بیانات کی تصدیق کی ہے۔ اس کے مطابق خراسان میں یہودی بڑی تعداد میں آباد تھے اور عیسائیوں کی تعداد کم تھی۔ میڈیا میں عیسائیوں سے زیادہ یہودی آباد تھے۔ مشرق میں دو ایسے شہر تھے جو کلیتاً یہودی آبادیوں پر مشتمل تھے اور دونوں یہودیہ کہلاتے تھے۔ ایک اصفہان کے نزدیک اور دوسرا مرو کے۔ خوزستان میں بھی المقدسی کو یہودیوں کی آبادیاں ملیں۔ فارس میں بھی ان کی آبادیاں تھیں۔ خود جزیرۃ العرب میں عیسائیوں سے زیادہ یہودی آباد تھے۔ قرۃ میں جو حجاز کا دوسرا سب سے بڑا شہر تھا اکثریت یہودیوں کی تھی۔ بنیامن کے مطابق قاہرہ میں سات ہزار' اسکندریہ میں تین ہزار اور ڈیلٹا کے علاقے میں تین ہزار۔

> **"یہودیوں کے دو خانہ زاد آلہ ہائے کار اس اعتبار سے پورے عالم اسلام میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان میں پہلا مقام تسطوری عیسائیوں کا تھا اور دوسرا یعقوبی عیسائیوں کا۔ یہ دونوں دراصل درپردہ یہودی ہی ہیں"**

شام کے تمام مالی لین دین کرنے والے یہودی تھے۔ بغداد میں ایک شخص اس قدر دخیل ہو گیا تھا کہ وہ خلافت کے مالی کاروبار اور قرض کے معاملات دیکھتا تھا۔ بعض شہادتیں ایسی ہیں کہ نہ صرف یہ کہ چین میں دسویں صدی عیسوی میں یہودیوں کی بڑی آبادیاں تھیں بلکہ وہ یہودی ڈائس پورا (Diaspora) کا ایک مرکز بھی تھا۔ چنانچہ کائے فنگ (Kaifeng) میں ان کا سب سے بڑا مرکز تھا۔

یہ تھی وہ حقیقی صورتحال جس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ یہ گروہ مذکورہ خصوصیات کا کس اعتبار سے حامل تھا۔

چونکہ پوری دنیا میں یہودیوں کی جتنی بھی آبادیاں تھیں ان کی انتظامی مذہبی اور روحانی سربراہی کے تمام ادارے بغداد' بصرہ اور کوفہ میں واقع تھے۔ ان شہروں میں تمام ہی قسم کے یہودی پائے جاتے تھے۔ وہ جو کھلے یہودی تھے یا کھلے غیر مسلم مگر چھپے یہودی یا کھلے مسلم اور چھپے یہودی یا مذہباً مسلم مگر طبعاً یہودی۔ بعض شہادتوں سے ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ عملی اقدامات کا ہیڈ کوارٹر بصرہ میں قائم تھا۔

سوال یہ ہے کہ اصل سازش کیا تھی؟ اس سازش کا نصب العین کیا تھا؟

اصل سازش تھی: عالم اسلام پر ایسی ضرب لگانا جس سے زندگی کے ہر میدان میں عالم اسلام گھٹنے ٹیک دے۔ اور اس کا نصب العین تھا: اسلام کی حیویت کے انفرا اسٹرکچر کا انہدام۔ پانچ سو سالوں کی لامتناہی سازشوں اور کوششوں کے باوجود یہودی ناکام و نامراد رہے تھے۔ وہ ایک سے زائد بار اسلام اور امت کے اسٹرکچر کو توڑنے کے لئے حملہ آور ہوئے تھے۔ بعض اوقات توڑ ڈالا۔ لیکن ہر بار اسلام اور امت مسلمہ اپنے اسٹرکچر کو بحال کرنے میں کامیاب

ہو گئے۔ چنانچہ یہودی اس نتیجے پر پہنچے کہ خواہ کچھ کر لیا جائے اور کیسی ہی کامیابی حاصل کر لی جائے' اسلام اور امت پھر بحال ہو جائیں گے اور اس کا سبب ہے: ان کا انفرا اسٹرکچر جو یہودیوں کی ہر ضرب سے اب تک محفوظ رہا تھا اور وہ انفرا اسٹرکچر تھا اسلام کا وہ تصور اجتماعیت اور اس تصور پر قائم زندگی کے جملہ شعبوں پر حاوی اجتماعی مرئی اور غیر مرئی مشنری' جس کے انہدام پر سمجھوتہ کرنے کے لئے امت کا کوئی بھی فرد تیار نہیں ہوا۔ صرف وہی نہیں جنہوں نے اس اسٹرکچر کو قائم رکھنے کے لئے ہر طرح کی قربانیاں دیں بلکہ وہ بھی جو وقتی طور پر اسلام کے دشمنوں کے ہاتھوں فریب کھا گئے۔

لیکن یہودیوں کی مشکل یہ تھی کہ جب گیارہویں صدی کے اواخر میں انہوں نے دو محاذی کارروائی کا آغاز کیا تو ان کا اصل نصب العین تھا یروشلم کا حصول اور اپنے دو دشمنوں یعنی عیسائیوں اور مسلمانوں کی تباہی۔ لیکن بہت جلد (۱۱۴۹ء میں) انہوں نے یہ اندازہ کر لیا کہ یہ دو محاذی حکمت عملی ناکام ہو جائے گی۔ اور جب دونوں گروہوں پر یہ بات واضح ہو جائے گی تو خطہ ارض پر ان یہودیوں کی حیات کی ضمانت دینے والا کوئی طبقہ نہ ہو گا۔ یہودی ایک ایسے گوشے میں جا رہے تھے جہاں ہر طرف انہیں موت ہی موت نظر آ رہی تھی۔ چنانچہ موت و حیات کی کشمکش کے اس موڑ پر جہاں وہ ہر بازی ہار چکے تھے راست اسلام اور امت پر ایسی ضرب لگانے کی تدبیر کرنے لگے جو امت کے اسٹرکچر ہی نہیں بلکہ اس اسٹرکچر کے نیچے قائم انفرا اسٹرکچر کو بھی تباہ و برباد کر دے۔

یہودیوں کو اپنے اس منصوبے کی تکمیل کے لئے ایک ایسے آلہ کار کی ضرورت تھی جو ان کے لئے یہ کام کر سکے۔ ان کے "موسوی اینٹینا" نے انہیں ۱۲۰۳ء میں یہ اطلاع دی کہ ایک ایسا شخص ہے جس کے پاس وہ ساری خصوصیات ہیں جن کی ضرورت یہودیوں کو ہے اور وہ ساری خرابیاں ہیں جن کے ذریعے یہودی انہیں باسانی دام تزویر میں لے سکتے ہیں۔ یہودیوں کو ایک ایسے انسانی دیو (Frankenstein) کی ضرورت تھی جو ان کے تلمود کے تصور "غلام" (Gholem) سے ملتا جلتا ہو اور اس میں وہ کمزوری بھی پائی جاتی ہوں جس کے ذریعہ وہ یہودیوں کا آلہ کار بن سکے اور یہ ساری باتیں اس وقت ظاہر ہو گئیں جب تیموجن (Temujin) نے اس قوریل تائی (Quriltai) میں جو ۱۲۰۳ء میں منعقد کی گئی "خان" (Qan) کا خطاب حاصل کر کے جموکھا کو راست چیلنج کر دیا۔ ۱۲۰۶ء میں جب دوبارہ قوریل تائی نے اسے "خان" کے خطاب سے ہی نہیں جو صرف "دادا" ہوتا تھا بلکہ ایک ایسے "خان" کے خطاب سے نوازا جو "ہوانگ دی" (Huangdi) یعنی "شاہوں کا بادشاہ" تھا تو یہودیوں کو اس سنکی اور وحشی انسان میں وہ "انسانی دیو" مل گیا۔

یہودیوں کے لئے یہ نہایت خوشی کی بات تھی کہ ان کے پرانے خانہ زادوں میں سے ایک گروہ تیموجن کے قریبی حلقے میں ہی نفوذ نہیں کر گیا ہے بلکہ اس سے آگے جا کر انہوں نے خود تیموجن کو بھی متاثر کرنا شروع کر دیا ہے۔ یہودیوں کا یہ خانہ زاد گروہ وہی تھا جسے یہودیوں نے عالم عیسائیت کو ڈائنا مائٹ کرنے کے لئے پانچویں صدی عیسوی میں بنایا تھا۔ جسے عیسائی سخت مرتد و ملحد گمان کرتے تھے۔ دراصل یہ وہ نسطوری تھے جو ہمیشہ یہودیوں کے آلہ کار کی طرح کام کرتے رہے تھے۔ یہودیوں کے دو خانہ زاد آلہ ہائے کار اس اعتبار سے پورے عالم اسلام میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان میں پہلا مقام نسطوری عیسائیوں (Nestorians) کا تھا اور دوسرا یعقوبی عیسائیوں (Jacobites) کا۔ یہ دونوں دراصل درپردہ یہودی ہی ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ نسطوری تیموجن کو متاثر کر چکے تھے' اور اس وحشی کو کسی نظام کے تابع تو نہ کر سکے مگر اس کے دل میں اپنا "کائناتی سلطنت" کا تصور ڈالنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ وہی تصور ہے جسے یونانی میں Oikoumene کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اسی جذبے کے تحت تیموجن نے ۱۲۱۵ء میں چین کے "کن" (Kin) سلطنت پر حملہ کر دیا۔ اس نے پوری سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ یہی وہ وقت ہے جب یہودیوں نے اس کی توجیہ کی اور اسے اسلامی سلطنتوں کی طرف راغب کیا۔

تاریخ کا یہ ایک اہم سوال ہے کہ آخر تیموجن جسے دنیا چنگیز خان کے نام سے جانتی ہے مغرب کی جانب اسلامی سلطنتوں پر حملہ آور کیوں ہوا؟ اس پورے وقوع کا اصلی سبب کیا تھا؟ انسانی تاریخ کا اتنا ہولناک اور اتنا بڑا واقعہ بغیر قابل ذکر سبب کے کیسے ہو سکتا ہے! مشکل یہ ہے کہ مغرب کے وہ تاریخ داں جنہوں نے دنیا کی ہر تاریخ کو ازبر کر لیا ہے اس غیر معمولی' ہولناک اور ہیبت ناک واقعہ کا جو سبب بتاتے ہیں وہ کسی شخص کو مطمئن نہیں کر سکتا۔ خود وہ بھی اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ تاریخ منگول کا مشہور ماہر برٹولڈ اسپولر (Bertold Spuler) صرف یہ کہہ کر چپ ہو جاتا ہے:

"Precise sequence of events are obscure."

اسپولر ان تین باتوں کا ذکر کرتا ہے جن میں کوئی ایک تاریخ دانوں کے نزدیک اس کا سبب ہو سکتا ہے یہ تین درج ذیل ہیں:

(۱) خود خلیفہ عباسی معتصم باللہ نے چنگیز کو محمد ثانی شاہ خوارزم پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔

(۲) خود خوارزم شاہ تیموجن کی سلطنت میں دلچسپی لے رہا تھا جس کی طاقت کا بڑھنا اور ارادوں کا بدلنا وہ محسوس کر رہا تھا۔

(۳) چند تاجر جن کو چنگیز خان نے تجارت کے لئے اور تجارتی معاہدے کرنے کے لئے بھیجا تھا انہیں جاسوس سمجھ کر پہلے گرفتار کر لیا گیا اور پھر اس الزام میں قتل کر دیا گیا۔

جو کچھ اور جس طرح بیالیس سالوں تک قتل عام اور غارت گری کا سیلاب بے پناہ آیا جس کی تفصیلات تاریخ میں ثبت ہیں ان کو دیکھتے ہوئے مذکور کوئی وجہ اتنی بڑی اور اتنی ہولناک نظر نہیں آتی جس لئے اتنا اور اس طرح خون بہایا جاتا۔ اگر مذکورہ وجوہات کو موضوعی طور پر دیکھنے کے بجائے معروضی طور پر دیکھنے کی کوشش کی جائے تو کم از کم تین معروضی وجوہات سامنے آتی ہیں:

(۱) غصہ اور انتقام: اگر ان روایتوں کو سرسری طور پر بھی لیا جائے جو جوینی نے "تاریخ جہاں گشا" اور یوان - چاؤ پی - شی نے "منگولوں کی خفیہ تاریخ" میں شاہ خوارزم سے تصادم کے سلسلے میں لکھی ہیں' جب بھی ۱۲۱۷ء سے ۱۲۲۷ء تک خوارزم سے عراق تک جو کچھ ہوا اور پھر ۱۲۲۷ء سے ۱۲۶۰ء تک بغداد و دمشق تک جو کچھ ہوا اس کا سبب سمجھ میں نہیں آتا۔

"سوال یہ ہے کہ آخر اندلس سے لے کر ماوراء النہر کی مشرقی سرحدوں تک پھیلی اسلامی سلطنت میں خوارزم اور بغداد کا یہ انتخاب کیوں ہوا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس مسئلے کا سرا کہیں اور ہے"

غصہ اور انتقام چند سالوں تک محدود ہوتے ہیں اور خوارزم سے آگے جانے کا کوئی سبب ہی نہیں۔

(۲) تجارتی و اقتصادی مفادات : اگر ان روایتوں کے ذیل میں یہ بات تسلیم کرلی جائے کہ اس کا سبب تجارتی راہوں کو کھولنا اور اقتصادی مفادات کی حفاظت تھا تو یہ واقعہ اور بھی سمجھ سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ ہزاروں میل تک سرسبز و شاداب علاقوں کو نفس بشر اور تمام اقتصادی و مالی وسائل کے اعتبار سے ویرانہ بنا کر کوئی تجارتی اور اقتصادی مفادات کی حفاظت کرتا ہے! اور کون سے مفادات یقینی بنائے گئے؟

(۳) کائناتی سلطنت : اگر اس بات کو مان لیا جائے کہ چنگیز خان ایک کائناتی سلطنت بنانے کا خواب لے کر اٹھا تھا تو وہ کہاں نظر آتا ہے۔ کائناتی سلطنت بنانے کا خواب اس طرح پورا ہوتا ہے! جہانبانی کی ضرورت زیر کرنے اور مطیع و فرمانبردار بنانے سے پوری ہوتی ہے نہ کہ کسی خطے کو نفس بشر اور کسی معاشرتی حیات کو ناقابل زیست بنانے سے۔ پھر ۱۲۲۷ء میں مرنے سے قبل اس نے اپنے اس مزعومہ سلطنت کو خود ہی بکھیرنے کا فیصلہ صادر فرمایا۔ جہاں تک ہلاکو کے ذریعہ تباہی بغداد کا معاملہ ہے تو وہ اتنے کمزور اسباب کا بھی حامل نہیں۔

دراصل یہ اسباب ہیں ہی نہیں۔ چنانچہ منگولیا کی ایک معاصر ماہر منگولیات شی بیرا (Sh.Bira) نے اسی مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے تسلیم کیا کہ چنگیز کی پوری مہم میں حکمت عملی کا فقدان نظر آتا ہے۔ پھر وہ تاویل کرتی ہیں کہ چنگیز ایک بدوی (Nomadic) تھا اور اپنی موت تک بدوی ہی رہا۔

واقعہ یہ ہے کہ چنگیز ماقبل کے کسی بھی بدوی (Nomadic) مثلاً ہن (Huns) وغیرہ کی طرح قتل و غارت گری کے سوا کچھ نہ جانتا تھا۔ یہودیوں نے جو کچھ کیا وہ اس کی توجیہ (Orientation) تھا۔ انہوں نے اپنے مقاصد کے لئے اسے آلہ کار کی طرح استعمال کر لیا۔ اور یہ سب کچھ اس طرح ہوا جسے درج ذیل نکات میں ملخص کیا جا سکتا ہے۔

۱) چنگیز کو مغرب کی جانب متوجہ کرکے۔
۲) مغرب کی مسلم مملکتوں کی دولت کا لالچ دلا کر۔
۳) ڈپلومیٹک اور دیگر ذرائع سے کشیدگی اور غصہ بڑھا کر۔
۴) درباری سازشیں کرکے معاملات کو بگاڑ کر۔
۵) منگولوں کی ہر علاقے اور مہم میں رہنمائی کر کے۔

جیکوب ایبٹ (Jacob Abbot) نے جو تفصیلات بتائی ہیں ان سے خوب اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ اسباب جو گنوائے جاتے ہیں ان میں سے کوئی بھی سبب نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ کسی نامعلوم سبب سے اندر اندر محاذ آرائی ہو رہی تھی اور اس فضا میں یہ بہانے سبب کی حیثیت سے لئے جاتے رہے۔ ایبٹ کی تفصیلات سے درج ذیل باتوں کا اندازہ ہوتا ہے :

۱) کوئی عنصر جو بیک وقت چنگیز اور بلاد اسلامیہ دونوں جگہ تھا وہ عناد اور دشمنی کو پیدا کر رہا تھا۔
۲) اس پورے معاملے کے تین نقطے تھے جہاں اندرونی طور پر زبردست خفیہ کارروائی ہو رہی تھی اور خفیہ کارروائیوں (Covert Activities) کے ذریعہ صرف دو طرفہ نہیں بلکہ ہمہ طرفہ غلط فہمیاں پیدا کی جا رہی تھیں۔

تجار کا واقعہ، تین ترکستانی تاجروں کا رویہ، ہندوستانی شخص کا رویہ، غائر خاں کا واقعہ، بغداد سے شاہ خوارزم کا مطالبہ، خلیفہ کا اسے رد کر دینا، خلیفہ کے چنگیز کو خوارزم کے خلاف دعوت دینے کا معاملہ اور وزراء کی مخالفت، شاہ خوارزم کا بغداد جانا، ترکاں خان کی شاہ خوارزم سے ناچاقی، خلیفہ کی جانب سے چنگیز کے نام خفیہ خط، بغداد سے بھیجے گئے خطوط اور اترار میں سزا کی کارروائی، اس بڑی سازش کا پتہ دیتے ہیں جو تین نقطوں پر ہو رہی تھی۔ سوال یہ ہے کہ آخر اندلس سے لے کر ماوراء النہر کی مشرقی سرحدوں تک پھیلی اسلامی سلطنت میں خوارزم اور بغداد کا یہ انتخاب کیوں ہوا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس مسئلے کا سرا کہیں اور ہے۔۔۔۔

خاک و خون

۱۲۱۸ء سے ۱۲۶۰ء تک گزرنے والے بیالیس سال قیامت تھے جو اس امت مسلمہ پر گزرے۔ امت خاک و خون میں نہا چکی تھی۔ خوارزم سے بغداد تک پورا علاقہ ویرانہ ہو چکا تھا۔ اس قیامت پر بچ رہنے والوں نے آنسو بہائے اور آنسو بہانے کا حق ادا کر دیا۔

صبح قیامت تک جب بھی یہ امت ان بیالیس سالوں کو یاد کرے گی خون کے آنسو روئے گی۔ کیسے کیسے لعل و گہر، کیسے کیسے صاحب علم و فن، اہل ورع اور شب زندہ دار اس امت نے ان بیالیس سالوں میں گنوائے ہیں۔ ان کی یادیں اس امت کو ہمیشہ تڑپائیں گی۔ شاید اب یہ آسمان اپنے نیچے اور یہ زمین اپنے سینے پر ایسے یکتائے روزگار کو یکجا کبھی نہ دیکھ پائے گی۔

ماوراء النہر، خراسان اور عراق عجم خون کے سمندر میں تبدیل ہو گئے۔ سیر دریا کے شہر جند، فجند، اترار، فاکت، سقناق، اوزجند اور اشناش لاشوں کے ڈھیر میں بدل گئے۔ بخارا کے قلعے میں تیس ہزار اور شہر میں ستر ہزار، سمرقند میں ایک لاکھ مرد، عورت اور بچے قتل کر دیئے گئے۔ خوارزم میں ایک لاکھ قیدی بنا لئے گئے جو بعد میں "حشر" کی آگ میں جھونک دیئے گئے اور تین لاکھ سے زائد وہیں قتل کر دیئے گئے۔ مازندران اور آذربائیجان میں ہر ستر ہزار لاشوں کے ڈھیر پر ایک رونے والا بھی مشکل سے میسر آ سکتا تھا۔ خراسان اور مرو میں تیرہ لاکھ مرد، عورت اور بچے ذبح کر دیئے گئے۔

نیشاپور میں عورتوں اور بچوں کے علاوہ دس لاکھ چالیس ہزار مرد قتل کر دیئے گئے۔ ہرات میں سولہ لاکھ مسلمان قتل کئے گئے۔ قریب ہی کالیوان کے چھوٹے سے علاقے میں ایک لاکھ لوگ موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ ہرات میں مولانا شرف الدین اور دیگر پندرہ اشخاص جن کے نام تاریخ ہرات میں مرقوم ہیں باقی بچے۔ ہرات اور اس کے مضافات کی اٹھارہ لاکھ آبادی میں چالیس اشخاص کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ وہ لوگ ملک غیاث الدین کے مقبرے کے گنبد کے نیچے رہتے تھے۔ پندرہ سالوں تک ہرات کے شہر یا ہرات کی سرزمین پر ان چالیس اشخاص کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ بلخ میں دو لاکھ لوگ ذبح کر دیئے گئے۔ غزنی، طالقان اور بامیان میں عورت، مرد، بوڑھے اور بچوں کی بات تو درکنار کتے اور بلی تک زندہ نہ بچے۔ غور میں ایک نفر زندہ نہ چھوڑا گیا۔ فہرروز کوہ میں کوئی فرد بشر زندہ نہ بچا۔

اور بغداد --- بغداد میں تین دنوں تک گلی کوچوں میں پانی کے بجائے خون بہتا رہا۔ دجلہ کا پانی میلوں تک سرخ ہو گیا۔ چھ ہفتوں تک یہ قہر ٹوٹتا رہا۔ محلات، مساجد، مقابر یا تو خاکستر کر دیئے گئے یا زمین بوس۔ شفاخانوں میں مریض، مدارس میں طلبہ، علماء اور اساتذہ ذبح کر دیئے گئے۔ مقابر کو اکھاڑ کر شیوخ اور اماموں کی باقیات کو اور تمام علمی خزانوں کو خاکستر کر دیا گیا۔ کتابیں آگ کے شعلوں میں پھینک دی گئیں اور جہاں دجلہ قریب تھا وہاں اس کے حوالے کر دی گئیں۔ پانچ صدیوں کا سارا اثاثہ راکھ کر دیا گیا اور بغداد کی ساری آبادی جو گیارہ لاکھ سے زیادہ افراد پر مشتمل تھی قتل کر دی گئی۔

جہان نو

اس امت کی تاریخ اتنی ہی تھی نہ یہیں ختم ہو گئیں۔ امت مسلمہ کی تاریخ کو اہل مغرب نے یہاں بھی مسخ کیا۔ چار غلط باتیں ایسی پھیلائی گئیں کہ امت کی تاریخ صرف مسخ ہی نہیں ہوئی بلکہ ان باتوں کے سبب انیسویں اور بیسویں صدی کی مسلم نسل خود اپنی تاریخ اور اپنے اسلاف کے سلسلے میں ایک ڈیلیما (Dilemma) کا شکار ہو گئی۔

منگول بلاشبہ قہر ثابت ہوئے' مگر یہ تاثر غلط ہے کہ ان کا خوف مسلمانوں پر ابتداء سے اس قدر طاری تھا کہ وہ سرے سے مقابلہ آرائی کی ہمت ہی چھوڑ بیٹھے تھے۔ دوسرا غلط تاثر یہ قائم کیا گیا کہ خوارزم اور بغداد میں بزدلوں اور بے عمل لوگوں کی حکومتیں تھیں اور وہ کوئی موثر اقدام کرنے سے قاصر رہے۔ تیسرا غلط تاثر یہ قائم کر دیا گیا کہ گویا پوری بلاد اسلامیہ میں امت نفسیاتی طور پر کمزور اور اخلاقی طور پر زوال یافتہ ہو چکی تھی اور وہ بزدلوں کی موت مر گئی۔ چوتھے غلط تاثر کا تعلق فن تاریخ نگاری سے ہے جہاں ہمارے ذہنوں میں صلیبی جنگوں کے عہد کا تاثر ڈال دیا گیا۔ جس سے یہ عہد کچھ خاص عہد معلوم ہوتا ہے۔ یہ تمام ہی تاثرات غلط در غلط ہیں اور سراسر لاعلمی سے زیادہ بدنیتی پر مبنی۔

اس سیلاب بلا کا فوری اور عسکری طور پر کیا انجام ہوا اور کیوں ہوا یہ جدا بات ہے' لیکن جہاں تک اس امت کا سوال ہے' تو اس نے تاریخ میں بے مثال و بے نظیر یقین و ایمان اور پامردی کے ساتھ اس مصیبت کا مقابلہ کیا۔ بالکل ابتداء سے۔ پوری امت کے سر سے موج خون ضرور گزری' اس لئے کہ وہ مقدر تھی' لیکن امت آستان یار پر کمال پامردی کے ساتھ بیٹھی رہی اور بالآخر اس کی جاں سپاری اور آستان یار سے تمسک نے موت کو شرما دیا۔ امت کو ایک عجیب صورتحال کا سامنا تھا۔ مسلمانوں پر کسی قوم کا خوف طاری نہیں تھا بلکہ ساری دنیا ان کے خوف سے لرزہ براندام تھی۔ ان کے لئے یہ بات اچانک اور ناقابل فہم ضرور ہوئی کہ کوئی قوم ان پر حملہ آور ہونے کی جرات بھی کر سکتی ہے۔ تاہم امت کی ہمت اتنی بلند تھی کہ اس وقت کی تاریخوں سے ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ کم از کم چنگیز کی تباہیوں سے اس کے مورال (Moral) میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس پورے واقعہ کو از سر نو دیکھنے کی ضرورت ہے۔ جو کچھ بھی ہوا اس کے اسباب و علل کیا تھے؟ یہ تشخص اور تحقیق ان شاء اللہ امت کو نئے میدان کار فراہم کرے گی۔ حالات کا تجزیہ کرنے سے کم از کم پانچ باتیں سامنے آتی ہیں :

پہلی یہ کہ تاریخ میں پہلی بار امت کو ایک ایسی قوم سے سابقہ پیش آیا جو واقعی ہر اعتبار سے ایک وحشی قوم تھی (یہاں وحشی کا لفظ معاندانہ یا تحقیری طور پر نہیں کیا گیا)۔ ایک ایسی قوم جو آداب' اخلاق' قوانین اور ضابطے تو درکنار انسانیت کے بنیادی اصولوں اور آداب سے بھی ناواقف تھی۔

دوسری بات یہ کہ امت اس کے مقصد اقدام کو سمجھ نہیں پائی اور ایسا ہونا کچھ عجب نہ تھا۔ دنیا میں فوج کشی کے جتنے معمولی اور غیر معمولی مقاصد ہوتے ہیں اور ان مقاصد کا اظہار جن امور سے ہوتا ہے وہ سب وہاں مفقود تھے۔ حملے اور خاک و خون کا عمل کلی تباہی (Total Annihilation) کا منظر پیش کر رہا تھا اور اس کی توقع کسی صحیح الدماغ فرد یا قوم سے نہیں کی جا سکتی تھی۔

تیسری بات یہ کہ ابتداء سے آخر تک چنگیز اور ہلاکو نے بدعہدی اور فریب کی مثال قائم کر دی۔ چنانچہ پہلے مسلمانوں نے مقابلہ کیا اور مارے گئے۔ بعض جگہوں کے حکمرانوں یا ذمہ داروں نے اطاعت قبول کر لی اور وعدہ امن پر جنگ بندی کر دی۔ ایسی تمام جگہوں کی پوری کی پوری آبادی کو قتل کر دیا گیا۔ تیسرے مرحلے میں بیشتر علاقوں میں مسلمانوں نے آخری دم تک لڑائی کی اور بیشتر جگہوں میں پوری کی پوری آبادی لڑ کر شہید ہوئی۔ چنانچہ ۱۲۱۸ء کے موسم بہار میں جند کے پاس سیر دریا کے پار لق و دق صحرا میں چنگیز کے بیٹے جوچی (Jochi) سے شاہ خوارزم کے پہلی تصادم سے لے کر ۱۲۵۸ء تک جب بغداد تباہ کر دیا گیا مسلمانوں کی ہمت عالی حالہ برقرار رہی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جن کارروائیوں کا آغاز انہوں نے ۱۲۲۷ کے بعد کر دیا' جنہوں نے بعد میں پوری کایا ہی پلٹ دی' ہمت ہار جانے کے بعد وہ کبھی بھی نہیں کر سکتے تھے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ امت یہ ضرور محسوس کرتی تھی کہ یہ ایک بڑی سازش ہے جس کے دو رخ ہیں: پہلا بیرونی حملوں کا اور دوسرا اندرونی خلفشار کا۔ امت پر بیک وقت دو جانب سے حملے ہوئے تھے۔ پوری بارہویں صدی میں عالم عیسائیت امت مسلمہ پر بار بار حملہ آور ہو رہی تھی اور ۱۲۰۴ء میں ایک نیا حملہ شروع کیا گیا تھا۔ دوسری طرف منگول ۱۲۰۵ء کے بعد مسلمانوں کے خلاف تیاریاں کرنے لگے تھے۔ اندرونی خلفشار اپنے عروج پر اس وقت پہنچ گیا جب پرانے تمام دہشت گردانہ سلسلوں کی موجودگی میں ایک نیا طبقہ سرگرم کیا گیا اور وہ تھا ۱۰۹۰ء سے قائم کی جانے والی الموت کی سلطنت اور اس کے تحت چلایا جانے والا قتل و خون ریزی کا سلسلہ۔ مسلمانوں نے مغرب سے ہونے والے عیسائی حملوں کا مستعدی سے مقابلہ کیا اور ان کو بے اثر (Neutralise) کر دیا۔ اندرونی دہشت گردی کی کارروائیوں کو بے اثر کرنے کے کئی اقدامات کئے گئے۔ ان اقدامات میں ایک تھا' دار الاسلام کی سرحد جو لاہور تک تھی اور جہاں تمام سرحدی علاقوں میں دہشت گردوں کی آبادیاں پناہ گزیں تھیں' ان کو پیچھے دھکیل کر اسلامی سرحدوں کو پھیلا دینا تاکہ قلب دار الاسلام مزید محفوظ ہو جائے۔ چنانچہ اس کے تحت پالیسی میں ایک زبردست میں تبدیلی عمل میں آئی اور ۱۲۰۵ء میں شہاب الدین محمد غوری کے ذریعہ اس اسلامی اسٹیٹ کی پالیسی میں جو محمد بن قاسم سے اس وقت تک قائم تھی' تبدیلی کر دی گئی۔ اس طرح ۱۲۰۶ء تک مسلمان اس سازش کو دو تہائی بے اثر کر چکے تھے۔ ایسا لگتا ہے انہیں اس حقیقی سازش کے سمجھنے میں دیر لگی جو یہودیوں کے ذریعہ اندر ہی اندر اور دار الاسلام میں اس کے انفرا اسٹرکچر کو تباہ کرنے کے لئے کی جا رہی تھیں اور ایسا ہونا خلاف حقیقت بھی نہیں۔ وہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتے تھے کہ کوئی خلافت اسلامیہ کو ہی تباہ کرنے کی ہمت کر سکتا تھا۔ چنانچہ ہلاکو کے بغداد کے محاصرہ کے وقت بھی وہ حتمی طور پر اسے متعین نہ کر سکے کہ قتل و غارت گری کا اصل مقصد ملت کے انفرا اسٹرکچر کا خاتمہ کرنا ہے۔ خوارزم محاذ پر جو کچھ ہوا اس میں ڈپلومیٹک سازشوں کو دخل ہے اور بغداد کی تباہی سراسر دھوکا' فریب اور بدعہدی کے سبب تھی۔ اس پوری مدت میں باوجود اس کے کہ ہر طرف خون بہہ رہا تھا اور سارا عالم اسلام راکھ کا ڈھیر ہو چکا تھا' مسلمانوں کی ہمتیں علی حالہ قائم تھیں۔ وہ پہاڑ کی طرح ثابت قدم تھے۔ مغرب میں عیسائیوں کے حملے سے دار الاسلام کی حفاظت وہ اسی استقلال سے کرتے رہے بلکہ دفاعی رہنے کے بدلے وہ اقدامی ہوتے چلے گئے۔ ۱۹۲۹ء میں انہوں نے ایک ڈپلومیسی کے ذریعے مغربی سرحدوں کو بہت مضبوط بنانے کی کوشش کی۔ جب بعد میں حالات ناموافق ہوئے تو ۱۲۴۴ء میں انہیں خوارزمی ترکوں نے بڑی کارروائی کی اور پھر عیسائیوں کو بے اثر (Neutralise) کر دیا۔ شہاب الدین محمد غوری کی پالیسی زبردست طور پر کامیاب ہوئی اور اسے چھیڑنے کی خود چنگیز کو بھی

ہمت نہیں ہوئی۔

بغداد کا سقوط' خلیفہ کا قتل اور خلافت کا خاتمہ تو آناً فاناً ہو گیا اور مسلمانوں نے اس وقت بچشم سر دیکھا کہ ایک ایسی چیز ٹوٹ گئی تھی جس کا ٹوٹنا وہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتے تھے۔ چنانچہ ایک لمحے کے لئے تو وہ سناٹے میں ضرور آ گئے مگر وہ ہراساں نہیں ہوئے۔ اس تباہی کے باوجود فوراً ایک قدم اٹھایا گیا اور سلطان بے برس نے ایک عدیم النظیر تاریخی کارنامہ سرانجام دیا۔ امیر المومنین مستعصم باللہ کی شہادت کے دو سالوں کے اندر اندر خانوادہ عباس کے ایک زندہ بچ جانے والے فرد ابوالقاسم احمد کو المستنصر باللہ کے لقب سے خلیفہ تسلیم کر لیا گیا۔ سلطان بے برس بیعت کرنے والا پہلا شخص تھا' پھر قاضی القضاۃ شیخ تاج الدین۔ وہ انفرا اسٹرکچر جسے اتنی بڑی سازش کے بعد اور اتنے آتش و خون کے ذریعہ یہودیوں نے توڑا تھا پھر اپنے قدموں پر کھڑا ہو چکا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ امت مسلمہ منگولوں کے حملے اور بغداد کی تباہی سے بکھر نہ سکی۔ بغداد کی تباہی جیسا کہ اہل مغرب باور کراتے ہیں' امت کے زوال کی شروعات نہیں۔ ان کے عزم و استقلال اور ان کی بقا کی تاریخ کا نقطہ عروج ہے۔ وہ اپنی نصف آبادی کی قربانی دینے کے باوجود ہراساں نہیں ہوئے بلکہ محض اللہ پر یقین کامل اور اس کی راہ میں پامردی کے ذریعہ اس سیلاب بلا کو بالآخر روک دیا اور صرف یہی نہیں بلکہ تیس سالوں کے اندر اندر منگولوں پر مسلمانوں کے سیلاب کی موجیں ٹھاٹھیں مار رہی تھیں۔ لیکن مسلمانوں کا یہ سیلاب وحشیانہ پن اور خاک و خون کا سیلاب نہیں تھا بلکہ ہدایت و رحمت کا سیلاب تھا۔ تاریخ انسانی میں مضبوطی اور اخلاقی عروج کی یہ وہ لاثانی کہانی ہے کہ چنگیز کا پرپوتا برقے ۱۲۵۶ء میں اسلام کی آغوش میں آ گیا۔ اور ۱۲۵۸ء میں وہ غیر معمولی واقعہ ہوا جسے "برقے مصری معاہدہ" کہتے ہیں۔ کاش بغداد کو چند مہینے اور قلعہ بند رکھا جا سکتا۔ ایسا لگتا ہے کہ ہلاکو کے خلاف عالم اسلام کی جوابی کارروائی شروع ہو چکی تھی اور صرف فریب اور دغا کے سبب بغداد کا سقوط ہو گیا۔

بزور سیکولرائزیشن کی عالمی جہت

نیو ورلڈ آرڈر کے نفاذ کے بعد یہودیت اس خطرناک راہ پر چل پڑی ہے جہاں وہ اب جبر و استبداد کا سہارا لے کر کسی خطے یا ملک میں نہیں بلکہ پوری امت کو بیک وقت ایک مرکز سے سیکولرائز کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اس ارادہ کو باضابطہ شکل پہلے امریکی پارلیمان (۱۹۹۵ء) اور پھر (NATO) نے (۱۹۹۵ء) دے دی ہے تاہم ابھی یہ عمل منصوبہ بندی کے مرحلے میں ہے۔ اندیشہ ہے کہ اس منصوبہ پر جولائی ۱۹۹۵ء کے بعد ہی عملدرآمد ہو سکے گا۔ اس کے ذریعہ پوری دنیا میں طاقت کے زور سے مسلمانوں کو اسلام سے دستبردار ہو جانے اور خود کو سیکولرائز کر دینے کی کارروائی ہو گی اگر وہ اس کی مزاحمت کریں گے تو انہیں بزور ایسا کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

یہودیت اور اسلام کی آئندہ کشمکش

عالمی سیکولرائزیشن کے لئے بزور کارروائی کا یہ فیصلہ فی الحقیقت کیا معنی رکھتا ہے اور اس کی اصلی وجہ کیا ہے؟ اس کی اصلی وجہ اس حقیقت کا نفسیاتی اعتراف ہے کہ یہودیت باوجود سارے جتن کرنے کے اسلام اور مسلمانوں کو سیکولرائز کرنے میں ناکام رہی ہے اور اب اس پر جھنجلاہٹ بلکہ ہذیانی کیفیت طاری ہو چکی ہے۔ اس کے قوی ٹوٹ رہے ہیں اور وہ پاگل ہو گئی ہے۔ اندیشہ ہے کہ ہرہذیانی کیفیت میں مبتلا انسان کی طرح یہ قوم بھی ہیبت ناک سے ہیبت ناک اقدام کر سکتی ہے۔ امت کو جلد از جلد اس صورتحال سے نبرد آزما ہونے کے لئے تیار ہونا چاہئے۔ یہودی ایک ایسی ظالم قوم ہے جس سے کسی خیر کی توقع نہیں اور ان سے کسی شر کا ظہور بعید از قیاس نہیں۔

آنے والے دور کی عالمی کشمکش دراصل خلافت اسلامیہ اور خلافت ابلیسیہ کے مابین ہو گی۔ خلافت ابلیسیہ کا قیام نیو ورلڈ آرڈر کی شکل میں ہو چکا ہے۔ اس کا منطقی تقاضا ہے کہ زمین پر خلافت اسلامیہ کی بحالی ہو۔ چنانچہ ایسا لگتا ہے کہ اب روئے ارض پر خلافت اسلامیہ کی بحالی دور نہیں۔

بقیہ : واقعات عالم

اور اگر ایسا نہ ہوا تو قتل و غارت گری کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا جس کی روک تھام کسی فرد یا سیاسی جماعت کے بس کی بات نہ ہو گی۔ بنگلہ دیش کو خونریز خانہ جنگی سے محفوظ رکھنے کے لئے چند اقدامات کی خاطر شاید کچھ مہلت مل بھی جائے کہ وہ ۲۵ سال قبل خانہ جنگی کے خونیں دلدل کا اذیت ناک سفر کر کے کنارے تک پہنچنے میں کامیاب ہو چکا ہے لیکن پاکستان اور بھارت دونوں کے لئے وقت شاید بہت کم ہے۔

سانحہ ارتحال

تنظیم اسلامی کے ایک پرانے اور نہایت قیمتی رفیق چوہدری عبداللہ کو چند ماہ قبل ان کے گاؤں (چک نمبر ۲۰ جنوبی ضلع سرگودھا) میں قتل کر دیا گیا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون!

مرحوم گزشتہ کئی سال سے مستقل گاؤں میں مقیم تھے۔ اسی وجہ سے ہمیں فوری طور پر ان کے قتل کی اطلاع نہیں مل سکی۔ مرحوم ایک نہایت ہی صالح عبادات گزار انسان تھے۔ ان کی اپنی کسی کے ساتھ دشمنی نہیں تھی پھر بھی دیہات کی روایتی خاندانی دشمنی سے نہ بچ سکے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔ ان کے پس ماندگان کو صبر عطا کرے اور ان کی اولاد کو توفیق دے کہ وہ مرحوم کے لئے توشہ آخرت ثابت ہو۔

بقیہ : اسرائیل

۱۹۹۵ء میں چھ فلسطینی شہروں اور درجنوں عرب گاؤں کی واپسی کا کام مکمل کر دیا۔

فروری اور مارچ ۱۹۹۶ء میں اسرائیل میں مسلمان جنگجوؤں نے خودکشی پر مبنی چار بم دھماکے کئے جن میں ۵۹ افراد ہلاک ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رائے شماری میں بنجمن نتن یاہو نے پیریز کو شکست سے دوچار کر دیا۔ (کرانیکل)

☆☆☆☆

ضرورت رشتہ

شادمان میں سرکاری رہائش میں مقیم وزارت دفاع کے ایک گزیٹڈ آفیسر کو دوسری شادی (اولاد نہ ہونے کی وجہ سے) دینی مزاج کے حامل گھرانے سے نیک سیرت شرعی پردہ دار اور تعلیم یافتہ رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ : محمد عطاء اللہ صدیقی

شاف ٹریننگ انسٹیٹیوٹ 85۔ شاہ جمال لاہور

فون دفتر : 7581710-7589547

رہائش : 5166954

توسیعی مشاورتی اجتماع میں پاکستان کے مختلف شہروں سے آئے ہوئے رفقاء تنظیم اظہار خیال کرتے ہوئے

تاحال نوکری کی تلاش میں ہیں۔ تعلق گوجرانولہ سے ہے۔ ایک اسرہ کے نقیب اور معتمد حلقہ کی ذمہ داری ادا کر رہے ہیں۔ ۹۲ء میں تنظیم میں شمولیت اختیار کی تھی۔

۵۔ **عبید اللہ اعوان** : ۸۳ء میں تنظیم میں شمولیت اختیار کی۔ لاہور کے مضافات میں مشہور جگہ پیر کرباٹھ کے رہائشی ہیں۔ گو نوجوانی کی عمر سے گزر چکے ہیں لیکن عزم و ہمت جواں ہے اور گفتگو نوجوانوں والی کرتے ہیں۔ اپنے علاقے کے نقیب اسرہ ہیں۔

۶۔ **عبدالواحد عاصم** : تنظیم میں اس کے یوم تاسیس سے شامل ہمارے سینئر ساتھی ہیں۔ رہائش کراچی میں ہے اگرچہ آج کل اپنے کاروبار اور مختلف علاقوں میں الہدیٰ لائبریری سیریز کے قیام کے سلسلے میں اکثر سفر پر رہتے ہیں۔

۷۔ **تجمل حسن میر** : لاہور کی وسطی تنظیم کے اسرہ سنت نگر کے نقیب ہیں۔ ستمبر ۹۲ء میں تنظیم میں شامل ہوئے۔ مرکزی دفتر میں کمپیوٹر کا شعبہ انہی کے کنٹرول میں ہے۔

ان ساتھیوں نے جو اظہار خیال اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے۔ لازمی اجتماعات کی تعداد میں جو کمی کی گئی وہ مناسب نہیں اس کو واپس لیا جائے۔ تنظیم اسلامی کے تحت مظاہروں میں عوام الناس اور دیگر جماعتوں کو شامل کیا جائے۔ ہمارے دو روزہ پروگراموں میں اصلاح کی ضرورت ہے۔ ہر ماہ دو دو روزہ پروگرام لازماً ہونے چاہئیں۔ امیر محترم اپنے خطاب میں آسان الفاظ استعمال کریں۔ تنظیم کی دعوت کے ضمن میں جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت سے فرق کو نمایاں کیا جانا چاہئے۔ ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جو عوام الناس کی جانب سے کئے گئے عمومی سوالات کے جوابات تیار کرے پھر ان کو شائع کیا جائے تاکہ سب رفقاء اس سے استفادہ کر سکیں۔ تنظیم اسلامی کے دفاتر کا عمومی ماحول روکھا پھیکا اور خشک ہے اس کو بہتر کیا جائے۔ دروس قرآن کی محافل کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ شام کی عربی کلاسوں کا اہتمام زیادہ سے زیادہ ہو۔ تنظیم کی دعوت میں جو تیزی اس سے پہلے تھی وہ اب نہیں ہے۔ نہی عن المنکر کے خلافت مظاہرے چھوٹی سطح (اسرہ لیول پر) سے شروع ہونے چاہئیں۔ ان مظاہروں میں تنقید کی بجائے اصلاح کے پہلو کو زیادہ پیش نظر رکھا جانا چاہئے۔

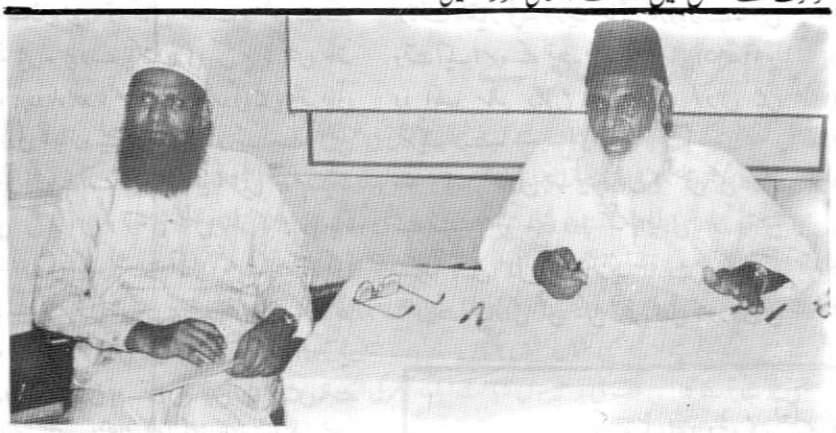

امیر تنظیم اسلامی اور نائب امیر ہمہ تن گوش ہیں

تنظیم اسلامی حلقہ لاہور ڈویژن کا "بہبود آبادی" کے خلاف ۱۱ / جولائی ۹۶ء کو مظاہرہ

مظاہرہ کی قیادت لاہور وسطی کے امیر ایوب بیگ مرزا' لاہور شرقی کے امیر ڈاکٹر عارف رشید' لاہور شمالی کے امیر اقبال حسین' الطاف حسین اور مختار احمد خان نے کی

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

تنظیم اسلامی کا نظام مشاورت

حال ہی میں منعقد ہونے والے توسیعی مشاورتی اجتماع کے آئینے میں

تنظیم اسلامی میں مختلف سطحوں پر مشاورت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اکثر تنظیموں اور حلقہ جات میں ماہانہ مشاورتی اجتماع منعقد کئے جاتے ہیں۔ ان اجتماعات میں زیادہ تر انتظامی معاملات پر مشورے کئے جاتے ہیں۔ پورے پاکستان کی سطح پر ناظمین حلقہ جات ہر دو ماہ بعد ناظم اعلیٰ کی سرکردگی میں حلقہ جاتی کارکردگی کا جائزہ لیتے ہیں۔ ایک دوسرے کے تنظیمی و دعوتی تجربات سے استفادہ کا یہ بہترین فورم ہے۔ تنظیمی سطح پر اس کو توسیعی مجلس عاملہ کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کی ایک نشست امیر تنظیم کے ساتھ بھی ہوتی ہے۔ مرکزی ناظمین ہر ہفتہ باقاعدگی کے ساتھ نائب امیر کی سرکردگی میں انتظامی و دعوتی امور پر مشورہ کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ اس اجلاس میں بہت سے اہم تنظیمی و انتظامی فیصلے بھی کئے جاتے ہیں جس کے لئے امیر محترم کی پیشگی اجازت موجود ہے کہ جن امور میں تمام ناظمین کسی رائے یا فیصلے پر متفق ہو جائیں اسے حتمی تنظیمی فیصلہ سمجھا جائے اور ان امور میں فیصلے کے لئے امیر تنظیم سے رجوع نہ کیا جائے۔

مشاورت کا اہم اور اعلیٰ ترین فورم مرکزی مشاورت ہے۔ ناظمین حلقہ جات اور مرکزی ناظمین تو بربنائے عہدہ اس کے رکن ہیں لیکن ان کی کل تعداد کا ڈیڑھ گنا وہ اراکین ہیں جو پورے پاکستان سے منتخب ہو کر آتے ہیں۔ مرکزی مشاورت کا اجلاس ہر چار ماہ بعد ہوتا ہے۔ مشورہ کا ایک اور وسیع تر اور اہم فورم توسیعی مشاورت ہے۔ اس کا اہتمام سال میں ایک مرتبہ مرکزی دفتر تنظیم اسلامی میں کیا جاتا ہے جس میں پورے پاکستان سے کوئی بھی رفیق آ کر انتظامی، دعوتی و پالیسی امور پر گفتگو کر سکتا ہے۔ نیز امیر محترم پر ذاتی تنقید بھی اس فورم پر کی جا سکتی ہے تاہم اس ضمن میں دین کی اخلاقی تعلیمات کا پاس رکھنے کی تلقین ضرور کی جاتی ہے۔

اس سال کے توسیعی مشاورتی اجتماع کے لئے ۱۰، ۱۱ جولائی کی تاریخیں پہلے سے طے تھیں۔ توسیعی مشاورتی اجتماع میں جن رفقاء نے اظہار خیال کیا ان کے اسماء گرامی اور مختصر تعارف کچھ یوں ہے:

۱۔ **فیاض اختر میاں**: ان کا تعلق لاہور کی جنوبی تنظیم سے ہے۔ انہوں نے ۸۶ء میں تنظیم کی رفاقت اختیار کی۔ ذریعہ معاش کاروبار ہے۔ اس وقت ایک اسرہ کے نقیب ہیں۔ اس سال (۹۵-۹۶ء) وہ ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس میں شریک رہے۔

۲۔ **عادل جہانگیر**: ان کا تعلق بھی لاہور سے ہے۔ اسرہ سانده روڈ تنظیم اسلامی لاہور وسطی کے نظم میں شامل ہیں۔ اگرچہ ۸۳ء میں تنظیم میں شمولیت اختیار کی تھی لیکن بعض ذاتی مجبوریوں کی وجہ سے ابھی تک مبتدی رفیق ہیں۔ یہ ملازمت کرتے ہیں۔

۳۔ **شاہ وارث بلال**: ان کا تعلق اسرہ تیمر گرہ سے ہے جو حلقہ سرحد میں شامل ہے۔ تین سال قبل تنظیم میں شامل ہوئے۔ ملتزم رفیق ہیں۔ اس اجتماع میں شرکت کی غرض سے خصوصی طور پر اتنا طویل سفر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جانی و مالی ایثار کو قبول فرمائے اور جزائے خیر عطا فرمائے۔

۴۔ **طارق خورشید**: شاہ وارث بلال کی طرح یہ بھی ہمارے نوجوان ساتھی ہیں۔ سول انجینئر ہیں۔ ڈیڑھ سال قبل اپنی تعلیم مکمل کی تھی لیکن

(باقی صفحہ ۲۳ پر)

دینی اور دنیوی تعلیم کا حسین امتزاج

قرآن کالج لاہور

نوٹس داخلہ

برائے ایف اے سال اول

- اس کالج میں نصابی تعلیم کے علاوہ دینی تعلیم کا بھی خاطر خواہ اہتمام کیا جاتا ہے۔ کمپیوٹر کی تعلیم مفت دی جاتی ہے۔
- کالج ہذا کے نتائج عموماً سو فیصد ہوتے ہیں۔
- داخلہ فارم ۸/ اگست ۹۶ء تک جمع کئے جائیں گے۔
- انٹرویو ۱۰/ اگست کو ہوں گے (ان شاء اللہ)

پراسپکٹس اور داخلہ فارم کیلئے دس روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں

المعلن: پرنسپل قرآن کالج، اتاترک بلاک

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور، فون: 5833638